تقسیم :

تمام علوم کے ماہرین ایک خاص طریقے سے اپنے علوم کی تقسیم بندی کرتے ہیں۔ علم منطق کے ماہرین مسائل منطق کو تصورات و تصدیقات میں حکماء الٰہی، حکمت الٰہی کو امور عامہ اور الٰہیات بالمعنی الاخص میں علماء علم اصول، اصول الفقہ کو اصول لفظیہ اور اصول عقلیہ میں تقسیم کرتے ہیں تو اب دیکھنا یہ ہے کہ فقہاء اس سلسلے میں کونسا انداز اختیار کرتے ہیں ؟

اب تک فقہی مسائل کی جو تقسیمات ہماری نظر سے گزری ہیں وہ اس طرح ہیں کہ فقہ کے ہر باب کو ایک علیحدہ حصہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے جس طرح محقق حلی نے شرائع الاسلام میں فقہ کے ابواب کو عبادات، عقود، ایقاعات اور احکام میں تقسیم کیا ہے۔

محقق حلی کے بعد علامہ حلی نے تذکرۃ الفقہاء میں ابواب فقہی کی ایک خاص تقسیم کی ہے۔ اگر فرصت ہوئی تو علامہ کی تقسیم پر بھی تبصرہ کریں گے۔ شہید اول نے اپنی عمدہ کتاب قواعد میں محقق حلی کی تقسیم کی مختصر وضاحت کی ہے لیکن باقی تمام فقہاء نے نہ تو محقق کی تقسیم کو کوئی اہمیت دی ہے اور نہ خود کوئی تقسیم کی ہے۔ تعجب اس بات پر ہے کہ صاحب "مسالک" شہید ثانی صاحب "مدارک" سید محمد اور صاحب "جواہر" شیخ محمد حسن نجفی، جیسے شرائع الاسلام کے شارحین نے محقق کی تقسیم کی کوئی وضاحت نہیں کی اور اس مرحلے پر خاموشی اختیار کی۔ ایسا کیوں ہوا ؟ کیا یہ تقسیم ان کے نزدیک عمدہ نہیں تھی ؟ یا تقسیم کے مسئلے کو کوئی اہمیت دینا نہیں چاہتے تھے؟

ہمارے ایک ہم عصر فقیہ نے ایک اور شکل میں احکام کی تقسیم کی ہے۔ عبادات، معاملات، عادات احکام لیکن ان کی کوئی وضاحت نہیں کی کہ

بالفاظ دیگر فقہ ان تمام مسائل کو فقط اس نگاہ سے دیکھتی ہے کہ شریعتِ اسلامی کے تمام قوانین انسانوں کے لئے جائز اور ناجائز، صحیح اور غلط کے لحاظ سے وضع کئے گئے ہیں (یعنی انسان کے لئے کونسا عمل جائز اور کونسا ناجائز، کون صحیح اور کون سا غلط ہے) یہ قوانین کتاب و سنت، اجماع اور عقل سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

فقیہ کے نزدیک ان موضوعات کی ماہیت و حقیقت کا اختلاف زیرِ بحث نہیں ہوتا کہ کچھ انفرادی ہیں اور کچھ اجتماعی، کچھ عدالتی ہیں اور کچھ اقتصادی۔ اور نہ وہ ان موضوعات میں دوگانگی کا سبب بنتا ہے بلکہ فقیہ انہیں ایک خاص رنگ میں دیکھتا ہے یعنی فعل مکلف کے عنوان سے اور ان سب کے احکام کو ایک جیسے مبادی و مقدمات سے اخذ کرتا ہے اور سب کو ایک ہی اسلوب کے ذریعے موردِ بحث و مطالعہ و تحقیق قرار دیتا ہے۔

چنانچہ اعتکاف، بیع، نکاح اور حدود ایک ہی ردیف میں ہیں۔ البتہ اگر ہم ان مسائل کا اس زاویے سے مطالعہ نہ کریں کہ ان اسلامی قوانین کو ادلہ اربعہ کی روشنی میں وضع کیا گیا ہے بلکہ انہیں ہم استدلالی، تجرباتی اور خالص عقلی لحاظ سے موردِ مطالعہ قرار دیں تو مجبوراً ان مسائل کے موضوعات کی حقیقت کو بھی مدِ نظر رکھنا پڑے گا (تاکہ ہر موضوع کا جامع طریقے سے جائزہ لیا جا سکے) اور اس وقت مجبوراً ان مسائل کو ہم مختلف مقدمات، مختلف اسالیب اور مختلف زاویوں کے مدِ نظر موردِ تحقیق و مطالعہ قرار دیں گے اور اس لحاظ سے مذکورہ مسائل و قوانین کو "مختلف علوم" کہا جا سکتا ہے۔

اور کچھ مختلف پہلو رکھتے ہیں جیسے حج عبادت بھی ہے، تعاون بھی اور اجتماعی سیمینار بھی یا سبق و رمایۃ جس میں چونکہ مال کی شرط لگائی جاتی ہے اس لحاظ سے اقتصادیات سے متعلق ہے اور "پیشہ ورانہ فوجی تربیت" کے مقصد کے پیش نظر اس کا تعلق اجتماعی و سیاسی ذمہ داریوں سے دکھائی دیتا ہے۔

بہرحال یہ بات واضح ہے کہ ان سب متفرق مسائل کا مرکز و محور ایک ہے اور وہ ہے "سعادتِ بشر" جس میں سب شریک ہیں۔ بہرحال اتنا اشتراک تو مختلف علوم کے مسائل کے درمیان بھی پایا جاتا ہے۔ عدالتی اور سیاسی علوم کے مسائل۔ اقتصادی، نفسیاتی علوم اور اجتماعی علوم سب کے سب بشری سعادت و خوش بختی میں اپنا اثر رکھنے کے لحاظ سے ایک ہی محور کے گرد گھوم رہے ہیں۔

یہاں خود بخود ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا علم فقہ حقیقت میں ایک علم ہے یا چند علوم کا مجموعہ ہے؟ خصوصاً جب انسان دیکھتا ہے کہ فقہ نے جن مسائل کو اپنے دامن میں سمیٹ رکھا ہے وہ آج کل کی اصطلاح میں مختلف علوم کہلائے جاتے ہیں اور بسا اوقات ان علوم کی تحقیق کے مقدمات اور ان کا اسلوب تحقیق بھی ایک جیسا نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ چند علوم کا مجموعہ نہیں بلکہ درحقیقت ایک علم ہے، کیونکہ فقہ نے جن مسائل کو اپنے دامن میں لیا ہوا ہے اگر ان کے استدلالی اور تجرباتی مبداء کی تحقیق کریں تو یہ مختلف علوم نظر آتے ہیں لیکن علم فقہ نے ان تمام مسائل کا ایک خاص زاویہ سے احاطہ کیا ہوا ہے اس زاویہ کے لحاظ سے تمام علوم ایک علم کی صورت میں قرار پاتے ہیں۔

ترین ہیں۔ مثلاً خمس و زکوٰۃ وغیرہ۔ کچھ اجتماعی اور سیاسی ذمہ داریوں سے متعلق ہیں مثلاً جہاد، امر بمعروف، نہی از منکر اور سبق و رمایۃ وغیرہ۔

کچھ فقہی موضوعات انسان اور اس کے نفس و جان سے مربوط ہیں۔ مثلاً جان کی حفاظت اس پر واجب ہے۔ خود کو ضرر پہنچانا یا خودکشی حرام ہے اور بعض مقامات پر کنوارپنے کی حرمت وغیرہ۔

بعض فقہی احکام کا تعلق عنایات الٰہی سے استفادہ کرنے کی شرائط و حدود سے ہے یعنی دوسرے الفاظ میں ان احکام کا تعلق فطرت (طبیعت) اور انسان کے باہمی روابط سے ہے۔ مثلاً اطعمہ و اشربہ، صید و ذباحۃ، لباس، مکان، کھانے پینے کے ظروف کے احکام۔

کچھ احکام ماحول، فطرت اور قدرتی عنایات سے انسانی تعلق کی نسبت پر مشتمل ہیں یعنی ان قدرتی عنایات اور خدا کی نعمتوں سے استفادہ کرنے کا کون زیادہ حق رکھتا ہے۔ مثلاً ابتدائی بلا عوض ملکیت کے ساتھ انسان کا تعلق ہے جیسے احیاء الموات، زراعت، ارث، مزدوری کا مالک ہونا وغیرہ۔ کچھ مسائل اقتصادی لین دین سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً بیع، اجارہ، جعالہ، ہبہ، صلح وغیرہ۔ کچھ عائلی قوانین سے متعلق ہیں مثلاً نکاح، طلاق، ظہار، ایلاء، لعان وغیرہ اور کچھ کا تعلق عدالتی قوانین سے ہے جیسے قضاء، شہادات، اقرار وغیرہ۔ کچھ فوجداری قوانین سے مربوط ہیں جیسے حدود، تعزیرات، قصاص، دیات، کچھ کا ضمانت سے واسطہ ہے مثلاً غصب، حوالہ وغیرہ۔ کچھ کا سرمایہ اور سرمایہ کی شرکت، سرمایہ اور کام کی شرکت سے ربط ہے۔ مثلاً مضاربہ، مزارعہ اور مساقات۔

گیارہواں سبق

فقہ کے متفرق مسائل

گزشتہ اسباق میں اجمالی طور پر ہم نے جو کچھ بیان کیا اس سے معلوم ہوا کہ فقہ میں گوناگوں مسائل پر بحث کی جاتی ہے۔ ان مسائل کا اگر ہم بذاتہ مطالعہ کرنا چاہیں تو بسا اوقات ان کے درمیان کوئی شباہت نہیں پائیں گے۔ علم فقہ کی طرح کسی علم میں بھی مختلف ماہیت و حقیقت کے مسائل بیان نہیں ہوتے مثلاً نماز یا روزہ یا اعتکاف کو بیع و اجارہ یا اطعمہ و اشربہ یا قصاص و دیت کے ساتھ موازنہ کریں تو ان کی آپس میں کوئی شباہت نہیں ہے۔ ان میں سے ہر ایک انسان کے مختلف افعال کے عناوین میں سے ایک الگ عنوان ہے۔ اگر فقہ میں بیان کئے گئے تمام احکام کا مطالعہ کرنا چاہیں تو دیکھیں گے کہ کس طرح ہر باب انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں سے ایک پہلو سے متعلق ہے۔

کچھ فقہی موضوعات ایسے ہیں جو فطری ذمہ داریوں کی انجام دہی کے پس منظر میں عبادات سے متعلق ہیں اور انسانی روح کی تجلیات میں سے ایک تجلی کی طرح ہیں یعنی عبادت ایسے آداب و احکام کا مجموعہ ہے جو حقیقت میں فطری رجحان کے سایہ میں خالق و مخلوق کے درمیان ایک منظم رشتہ ہے۔ نماز، روزہ، اعتکاف اسی قسم سے ہیں۔ کچھ دوسرے فقہی موضوعات کا تعلق انسانی خدمت اور تعاون سے ہے جس پر اسلام نے خصوصی توجہ دی ہے۔ اس قسم کے اجتماعی معاملات روحِ عبادت کے

احکام فقہ

قصد قربت شرط ہے

عبادات

۱۔ طہارت
۲۔ نماز
۳۔ زکواۃ
۴۔ خمس
۵۔ روزہ
۶۔ اعتکاف
۷۔ حج
۸۔ عمرہ
۹۔ جہاد
۱۰۔ امر بمعروف نہی از منکر

قصد قربت شرط نہیں

اُس کا وقوع صیغہ پر موقوف ہوگا

صیغہ طرفین سے ہوگا

عقود

۱۔ تجارت
۲۔ رہن
۳۔ مفلس
۴۔ حجر
۵۔ ضمان
۶۔ صلح
۷۔ شرکت
۸۔ مضاربہ
۹۔ مزارعہ و مساقات
۱۰۔ ودیعہ
۱۱۔ عاریۃ
۱۲۔ اجارہ
۱۳۔ وکالہ
۱۴۔ وقف و صدقات
۱۵۔ السکنیٰ والحبس
۱۶۔ ہبہ
۱۷۔ سبق و رمایۃ
۱۸۔ وصیت
۱۹۔ نکاح

یا ایک طرف سے

ایقاعات

۱۔ طلاق
۲۔ خلع و مبارات
۳۔ ظہار
۴۔ ایلاء
۵۔ لعان
۶۔ عتق
۷۔ تدبیر مکاتبہ اور استیلاد
۸۔ اقرار
۹۔ جعالہ
۱۰۔ ایمان
۱۱۔ نذر

یا نہ

احکام

۱۔ صید و ذباحۃ
۲۔ اطعمہ و اشربہ
۳۔ غصب
۴۔ شفعہ
۵۔ احیاء الموات
۶۔ لقطہ
۷۔ فرائض
۸۔ قضاء
۹۔ شہادات
۱۰۔ حدود و تعزیرات
۱۱۔ قصاص
۱۲۔ دیات

مر جائے تو ضامن ہوگا اور اگر طبیب حاذق و ماہر ہو، مریض یا اس کے وارثوں کی اجازت کے بغیر علاج کرے اور مریض مر جائے تو بھی ضامن ہے۔ البتہ اگر حاذق و ماہر طبیب مریض یا اس کے ولی کی اجازت کے ساتھ علاج شروع کرنے سے پہلے اپنے آپ کو بری الذمہ کرائے یعنی مریض یا اس کے ورثاء سے عہد و پیمان کرے کہ میں مریض کے علاج میں اپنی انتہائی کوشش صرف کروں گا لیکن اگر بالفرض مریض مر گیا تو میں ذمہ دار نہیں ہوں اس صورت میں اگر مریض مر جاتا ہے یا اس کا کوئی عضو ناقص ہو جاتا ہے تو یہ ضامن نہیں ہوگا۔ لیکن اگر پہلے یہ شرط عائد نہ کی ہو اور علاج شروع کر دے تو بعض فقہاء کے نزدیک ضامن ہوگا۔

اسی طرح تربیت کرنے والا اگر بغیر ضرورت بچے کو تادیباً یا تنبیہاً مارے اور بچہ مر جائے یا اس کا کوئی عضو ناقص ہو جائے تو ضامن ہوگا۔ اور اگر ضرورت کے مطابق بچے کو تنبیہ کے لئے سزا دے اور اتفاقاً بچہ مر جائے یا اس کا کوئی عضو ناقص ہو جائے تو اگر سرپرست سے پہلے اجازت لی تھی تو ضامن نہیں ہوگا ورنہ ضامن ہوگا۔

۲۔ "شبہ عمد" یہ ہے کہ اس نے جس جرم کا ارتکاب کیا ہے وہ اپنے ارادہ اور قصد سے تھا لیکن جو کچھ ہوا ہے وہ یہ نہیں چاہتا تھا مثلاً ایک آدمی کسی کو زخمی کرنے کی نیت سے چاقو مارتا ہے اور وہ قتل ہو جاتا ہے یا بچے کو ادب سکھانے کے لئے مارتا ہے اور بچہ مر جاتا ہے یا ڈاکٹر کسی مریض کا علاج کرنے کی نیت سے دوا پلاتا ہے اور دوا نقصان دہ ثابت ہوتی ہے اور مریض کے قتل کا سبب بنتی ہے۔

۳۔ خطا محض یہ ہے کہ فعل کا بالکل ارادہ ہی نہ تھا مثلاً ایک شخص بندوق صاف کر رہا ہو اچانک فائر ہو جائے اور اس سے کوئی آدمی قتل ہو جائے یا مثلاً ڈرائیور سڑک پر گاڑی چلا رہا ہو کہ اچانک سامنے آدمی آگیا اور قتل ہو گیا۔

قتلِ عمد اور شبہ عمد میں میت کا وارث قاتل سے قصاص لینے کا حق رکھتا ہے۔ اسلامی حکومت کے نمائندوں کی نگرانی میں میت کے شرعی وارثوں کے ہاتھوں قاتل کو قتل کیا جائے گا لیکن خطا محض میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ مقتول کے وارثوں کو دیت دے۔

۱۲۔ <u>کتاب الدیات</u> :۔

دیت بھی قصاص کی طرح جرائم کے موارد میں آتی ہے۔ دیت قصاص کی طرح مجرم پر مجنی علیہ (یا اس کے وارثوں) کا حق ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ قصاص معاملہ بہ مثل ہے لیکن دیت مالی جرمانہ ہے احکام دیت بھی قصاص کے احکام کی طرح مفصل ہیں۔ فقہاء کتاب الدیات اور کتاب القصاص کے ذیل میں طبیب اور معلم و مربی کے ضامن ہونے کے مسئلہ پر بھی بحث کرتے ہیں۔ فقہاء طبیب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :۔

اگر طبیب (ڈاکٹر یا حکیم) ماہر نہ ہو اور علاج میں غلطی کرے اور مریض

شدہ مال کم از کم ایک چوتھائی مثقال (۱۸ نخود) سکہ دار سونے کے برابر ہو۔

۹۔ محارب کی سزا :۔ محارب یعنی وہ شخص جو دہشت پھیلانے اور امن عامہ میں خلل ڈالنے کی خاطر مسلح ہو کر لوگوں کو ڈرائے دھمکائے اس کی سزا کے لئے حاکم شرعی کو اختیار ہے کہ حالات و شرائط کے مطابق تین امور میں سے ایک کا انتخاب کرے :۔

۱۔ قتل (تلوار کے ساتھ) ۲۔ پھانسی۔

۳۔ دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں کاٹے جائیں۔

جن جرائم کی سزا معین نہیں ہے ان میں حکومت اسلامی مصلحت کے تحت سزا تجویز کرے گی۔ ایسی سزاؤں کو "تعزیرات" کہتے ہیں۔

۱۱۔ کتاب القصاص :۔

قصاص بھی سزا کی ایک قسم ہے لیکن ان موارد سے متعلق ہے جہاں کوئی شخص کسی کو جانی (جسمانی) نقصان پہنچائے۔

قصاص حقیقت میں "مجنی علیہ" (جسے جانی نقصان پہنچایا گیا ہو) یا اس کے ورثہ (اگر مضروب اس جنایت سے قتل ہو جاتا ہے) کا حق ہے۔ جرم یا قتل ہوگا یا کسی عضو کا نقصان، ان میں ہر ایک جان بوجھ کر انجام دیا جائے گا یا خطاء و غلطی سے :

۱ - جان بوجھ کر یعنی مجرم نے اپنے ارادہ اور قصد سے جرم کا ارتکاب کیا ہو مثلاً کوئی شخص کسی کو قتل کرنے کے ارادے سے مارے اور وہ مر جائے، چاہے وہ آلہ قتل استعمال کرے جیسے تلوار یا رائفل یا آلہ قتل نہ ہو جیسے پتھر وغیرہ البتہ درحقیقت اس کا ارادہ اسے قتل کرنے کا تھا، یہ قتلِ عمد کہلائے گا۔

۱۰۔ کتاب الحدود والتعزیرات :-

اس کا تعلق اسلام کے فوجداری قوانین سے ہے جس طرح
کتاب القضاء اور کتاب الشہادات اسلام کے عدالتی قوانین سے متعلق ہیں
اسلام میں بعض جرائم کی ایک سزا مقرر ہے جو حالات و شرائط اور زمان و مکان کے اعتبار سے یکساں ہوتی ہے۔ اس قسم کے قوانین کو "حدود" کہتے ہیں۔ لیکن کچھ جرائم کی سزا شارع نے حاکم شرعی کی صوابدید پر چھوڑ دی ہے کہ اسباب و شرائط کو (جو سزا کی کمی یا زیادتی کا سبب بنتے ہیں) دیکھ کر سزا دے۔ ایسے قوانین کو "تعزیرات" کہتے ہیں۔

کچھ حدود کا ذکر تو ہم یہاں کرتے ہیں لیکن تمام حدود کے تفصیلی بیان کا احاطہ اس مختصر کتاب میں ممکن نہیں۔

ا۔ شادی شدہ مرد اور عورت کے زنا کی حد :- وہ شادی شدہ مرد جس کی بیوی اس کے پاس ہو اور وہ شادی شدہ عورت جس کا شوہر اس کے پاس ہو اگر زنا کے مرتکب ہوں تو دونوں کو سنگسار کیا جائے گا اگر غیر شادی شدہ ہوں تو سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ البتہ محرم کے ساتھ زنا کی حد قتل ہے۔

ب۔ لواطہ کی حد :- تلوار کے ساتھ قتل کر دیا جائے یا پہاڑ سے گرایا جائے یا جلایا جائے اور ایک قول کے مطابق اس پر دیوار گرائی جائے۔

ج۔ معتبر گواہوں کے نہ ہونے کی صورت میں مرد یا عورت کو زنا کی تہمت لگانے کی سزا اسّی کوڑے ہیں۔

د۔ شراب یا ہر نشہ آور مائع کے استعمال کی سزا اسّی کوڑے ہیں۔

ھ۔ چور کی سزا :- دائیں ہاتھ کی انگلیاں کاٹی جائیں گی بشرطیکہ چوری

نہیں کہ وہ مدعی یا مدعا علیہ سے کوئی اجرت لے۔ بیت المال سے قاضی کی تنخواہ کے لئے خطیر رقم ادا کی جائے گی۔ مسند قضاوت اس قدر محترم ہے کہ فریقین بغیر امتیاز کے انتہائی احترام کے ساتھ قاضی کے سامنے کھڑے ہوں۔ ان میں چاہے کوئی خلیفۂ وقت ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ تاریخ میں علی ابن ابی طالبؑ کا بے مثال کردار آج تک رقم ہے۔

اسلام کے عدالتی نظام میں "اقرار"، "شہادات" اور بعض مقامات پر "قسم" بھی مؤثر ہوتی ہے۔

۹۔ کتاب الشہادات :۔

"کتاب الشہادات" بھی اقرار کی طرح کتاب القضاء کا ذیلی عنوان ہے۔ اگر کوئی شخص کسی پر مالی دعویٰ کرے تو فریق مخالف (اس دعویٰ کا) اقرار کرے گا یا انکار۔

اگر وہ اقرار کرے تو مدعی کے دعویٰ (کے سچا ہونے) اور قاضی کے فیصلہ کے لئے یہ کافی ہوگا اور اگر فریق مخالف انکار کرے (یعنی میں نے مال نہیں دینا) تو مدعی کو (اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے) گواہ پیش کرنا ضروری ہیں۔ اگر گواہوں میں تمام شرائط موجود ہوں تو دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ منکر پر گواہ لازم نہیں۔

منکر پر خاص مقامات پر قسم ضروری ہوتی ہے اگر وہ قسم کھائے تو فقہ کا یہ مسلّم قاعدہ ہے کہ: "البیّنۃ علی المدعی والیمین علی من انکر۔" مدعی پر گواہ اور منکر پر قسم ضروری ہے۔ قضاء کے مسائل اس قدر ہیں کہ بعض علماء نے فقط اسی باب پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جو محقق حلی کی شرائع الاسلام کے برابر ہیں۔

دوسرا طبقہ میراث کا حق نہیں رکھتا۔

طبقۂ اوّل :۔ والدین۔ اولاد (اولاد نہ ہونے کی صورت میں) اولاد کی اولاد وارث ہوگی۔

طبقہ دوم :۔ دادا۔ دادی۔ بھائی۔ بہن (بہنوں اور بھائیوں کے نہ ہونے کی صورت میں ان کی اولاد وارث ہوگی)

طبقہ سوم :۔ ماموں۔ خالہ۔ چچا۔ پھوپھی اور ان کی اولاد ہیں۔

البتہ وراثت کے حقداروں سے مراد نسبی وارث ہیں۔ غیر نسبی وارث بھی ہوتے ہیں مثلاً شوہر اور زوجہ، تمام طبقات کے ساتھ میراث لیتے ہیں لیکن اس صورت میں بہت سے مسائل درپیش ہوتے ہیں جنہیں فقہی کتب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۸۔ کتاب القضاء :۔

قضا یعنی دو یا چند افراد کے درمیان فیصلہ و انصاف کرنا۔ آج کل کی اصطلاح میں "قضاوت" کا لفظ بھی عام بولا جاتا ہے۔ قضاء کے مسائل اتنے زیادہ ہیں کہ انہیں اس مختصر کتاب میں بیان نہیں کیا جا سکتا مختصراً صرف اتنا بیان کریں گے کہ یہ اسلام کا عدالتی نظام ہے جس میں انصاف کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ جس انداز سے اسلام میں قاضی کی علمی شخصیت کے بارے میں انتہائی باریک بینی اور غور و خوض سے کام لیا گیا ہے کہ وہ اسلامی قوانین میں صاحب نظریہ اور جامع الشرائط مجتہد ہو۔ اسی طرح اس کی اخلاقی حالت کے بارے میں بھی انتہائی تاکید کی گئی ہے کہ قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ گناہ سے پاک ہو اگرچہ وہ گناہ عدالتی فیصلوں پر اثر انداز نہ بھی ہوں۔ قاضی کو کسی طرح بھی یہ حق

کم ہو (یعنی نصف مثقال) تو جسے ملے وہ اسے اپنے تصرف میں لا سکتا ہے اور اگر اس سے زیادہ ہو تو ایک سال تک اس کے اصلی مالک کی تلاش ضروری ہے۔ اگر حرم مکہ میں گری ہوئی کوئی چیز دستیاب ہو تو دو کاموں میں سے ایک کام کو انجام دینا ضروری ہے :۔

۱۔ اسے صدقہ کے طور پر دے دے اس نیت سے کہ اس کا اصل مالک مل گیا تو اسے عوض دے دوں گا یا[۲] اس امید پر اس کی حفاظت کرے کہ اس کا مالک مل جائے گا۔

غیر حرم سے اگر کوئی چیز ملے تو تین کاموں میں سے ایک ضروری ہے :۔

۱۔ اس ارادے سے اپنے لئے اٹھائے کہ اگر اس کا مالک مل گیا تو یہی چیز یا اس کا عوض اسے دوں گا۔

۲۔ مالک کی طرف سے صدقہ دے دے۔

۳۔ اس کی حفاظت کرے تا وقتیکہ اس کا مالک مل جائے۔

اگر کوئی ایسی چیز دستیاب ہو جس پر کوئی علامت وغیرہ نہ ہو تو اصلی مالک کی جستجو ضروری نہیں بلکہ سابقہ تین امور میں سے کسی ایک پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ کتاب الفرائض :۔

"فرائض" سے مراد میراث ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اسلام میں وراثت کا قانون ہے۔ جو اختیاری نہیں یعنی مورث کو حق نہیں کہ وہ اپنے مال میں سے خود ہی ورثاء کے حصے معین کرے یا پوری دولت ایک ہی شخص کو بخش دے بلکہ مورث کا مال شرعی نقطۂ نگاہ سے ورثاء میں تقسیم ہو گا۔

اسلام میں وارثوں کے مختلف طبقات ہیں۔ پہلے طبقے کی موجودگی میں

شریک کا حصہ خرید سکتا ہے۔ دو افراد جس مال میں شریک ہیں اگر ان میں سے ایک اپنا حصہ بیچ ڈالے تو دوسرے شریک کو اسی قیمت پر وہ حصہ خریدنے کا حق ہوگا جو کسی اور خریدار نے لگائی ہو۔ اور اس کا یہ حق دوسروں پر مقدم ہوگا۔

۵۔ کتاب احیاء الموات :-

موات یعنی مُردہ (بنجر) زمین۔ زندہ زمین کو فقہ میں "عامر" (آباد) کہا جاتا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں :"من احیی ارضاً مواتا فھی لہٗ"۔ جو شخص بنجر و برباد زمین کو آباد کرے وہ اسی کا مالک ہوگا احیاء الموات کے تفصیلی مسائل فقہ میں درج ہیں۔

۶۔ کتاب اللقطہ :-

لقطہ یعنی زمین پر گری ہوئی چیز کا دستیاب ہونا۔ اس باب میں ان چیزوں کے احکام بیان ہوتے ہیں جو کہیں گری ہوئی پائی جائیں اور ان کے مالک کا پتہ نہ ہو۔ "لقطہ" حیوان ہوگا یا غیر حیوان۔ اگر حیوان ہو اور حیوان کے لئے کوئی خطرہ نہ ہو تو اسے قبضہ میں لینے کا کسی کو حق نہیں ہوگا اور اگر اسے کوئی خطرہ ہو (مثلاً کوئی بھیڑ صحرا میں ملے) تو اسے اپنے قبضے میں لے سکتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اس حیوان کے مالک کی جستجو کرے، اگر وہ مل جائے تو اس کے حوالے کر دے اور اگر مالک نہ ملے تو یہ مال مجہول المالک ہوگا جو حاکم شرعی کی اجازت سے فقراء کو دے دیا جائے گا۔

"لقطہ" اگر غیر حیوان ہو اور ۱٫۲۲۶ گرام چاندی سکے دار سے

۳۔ کتاب الغصب :-

غصب یعنی غیر کے مال پر غاصبانہ قبضہ۔ اوّلاً تو ایسا کام ہی حرام ہے پھر بھی اگر کوئی ایسا کرے تو وہ اس غصبی مال کا ضامن ہوگا یعنی اگر غصب شدہ مال ضائع ہوجائے تو غاصب ضامن ہوگا۔ اگرچہ اس نے مال کی حفاظت میں کوتاہی نہ بھی کی ہو۔ غصبی مال میں کسی قسم کا تصرف حرام ہے۔ غصبی پانی سے وضو اور غصبی لباس یا غصبی جگہ پر نماز پڑھنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

اس کے ذیل میں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جس طرح کے مال پر ظالمانہ قبضہ اس مال کی ضمانت کا سبب ہوتا ہے اسی طرح کسی کا مال ضائع کردینے سے بھی انسان ضامن ہوجاتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص پتھر مار کر کسی مکان کا شیشہ توڑ دے تو اس کا ضامن ہے اگرچہ شیشہ پر اس نے غاصبانہ قبضہ نہیں کیا۔ "تسبیب" بھی ضمانت کا سبب ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی کا مال خود تو نہ تلف کرے لیکن اس کے ضیاع کے اسباب فراہم کرے جن کی وجہ سے اس چیز کو نقصان پہنچے تو بھی یہ ضامن ہوگا مثلاً اگر کوئی شخص کسی جگہ جہاں لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہو کوئی ایسی چیز پھینکے جس سے لوگ پھسلیں (مثلاً کیلے یا خربوزے کے چھلکے پھینک دے) اور وہاں سے گزرنے والے گریں اور انہیں جانی یا مالی نقصان پہنچے تو چھلکا پھینکنے والا اس نقصان کا ضامن ہوگا۔

۴۔ کتاب الشفعہ :-

شفعہ اس حق اولویت کو کہتے ہیں جس کے مطابق ایک شریک دوسرے

اطعمہ واشربہ

- حیوان
  - دریائی
    - مچھلی
      - چھلکے والی — حلال
      - بغیر چھلکے والی — حرام
    - غیر مچھلی — حرام
  - صحرائی
    - پالتو
      - حلال: اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ
      - حرام: کتا، بلی وغیرہ
      - مکروہ: گھوڑا، خچر، گدھا وغیرہ
    - جنگلی
      - حلال: گائے، بینڈھا، ہرن وغیرہ
      - حرام: درندے، حشرات الارض، خرگوش وغیرہ
  - ہوائی
    - حلال: کبوتر، تیتر، مرغابی، مرغی
    - حرام: شکاری پرندے
- غیر حیوان
  - حلال
  - حرام
    - ہر نجس اور متنجس چیز
    - ہر وہ چیز جو انسان کیلئے مضر رساں ہو۔
    - جو حمل کے گرنے کا سبب ہو
    - جس سے انسان ہوش وحواس کھو بیٹھے
    - جس سے قوتِ مردانگی ختم ہو جائے
    - جس سے عورت بانجھ ہو جائے
    - مٹی کھانا
    - نشہ آور اشیاء کا استعمال
    - مالک کی اجازت کے بغیر کوئی مال کھانا

ہو اور وہ ضرر بھی عقلاء کی نظر میں اہمیت کا حامل ہو۔ اسی لئے زہر کی تمام قسمیں حرام ہیں۔ اگر ڈاکٹر تشخیص کردے کہ فلاں چیز (مثلاً تمباکو نوشی) بدن کے لئے یقینی طور پر نقصان دہ ہے مثلاً دل یا اعصاب کو تباہ اور زندگی کو کم کردے گی یا سرطان کا سبب ہوگی تو ایسی چیز کا استعمال حرام ہوگا لیکن عقلاء اگر اسے اتنی اہمیت نہ دیں جیسے کراچی کی طرح کسی گنجان شہر کی دھواں دھار اور ثقیل فضا میں زندگی گزارنا تو حرام نہیں۔ حاملہ عورتوں کا ایسی چیز استعمال کرنا جس سے ان کا حمل گر جائے حرام ہے۔ یا کسی ایسی چیز کا استعمال جس سے انسان ہوش وحواس کھو بیٹھے یا جو چیز قوائے انسانی کو ضائع کردے مثلاً ایسی چیز استعمال کرے جو انسانی نسل کے خاتمہ کا سبب بنے یا عورت ایسی چیز استعمال کرے جو اسے ہمیشہ کے لئے بانجھ بنادے، حرام ہے۔ مٹی کا کھانا کلی طور پر حرام ہے خواہ ضرر رساں ہو یا بے ضرر۔ (منشیات) نشہ آور چیزوں کا استعمال بھی کلی طور پر حرام ہے۔

مالک کی اجازت کے بغیر کوئی مال کھانا حرام ہے لیکن یہ حرمت عارضی ہے ذاتی نہیں۔

حلال گوشت حیوانات کے (مثلاً تلی، خصیتین، عضو تناسل) کھانا حرام ہے۔ اسی طرح حرام گوشت حیوانات کا پیشاب اور دودھ بھی حرام ہے۔

"خبائث" (حرام) ہیں لہذا ان سے اجتناب ضروری ہے اور یہ "طیبات" (حلال) ہیں ان سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اطعمہ، کھانے کی اشیاء حیوانات سے ہوں گی یا غیر حیوانات سے۔

حیوانات کی تین قسمیں ہیں: دریائی، صحرائی اور ہوائی۔

دریائی حیوانات میں فقط چھلکے دار مچھلی حلال ہے۔

صحرائی حیوانات کی دو قسمیں ہیں: پالتو اور جنگلی۔

پالتو میں گائے، بھیڑ، بکری، اونٹ کا گوشت حلال ہے۔

گھوڑا، گدھا، خچر مکروہ ہیں۔

کتے اور بلی کا گوشت کھانا حرام ہے۔ جنگلی حیوانوں میں درندے اور حشرات الارض حرام ہیں اور ہرن، جنگلی گائے، جنگلی مینڈھا وغیرہ حلال۔ خرگوش اگرچہ درندوں میں سے نہیں لیکن مشہور علماء کے فتوی کے مطابق حرام ہے۔ پرندوں میں کبوتر کی تمام قسمیں، تیتر، مرغابی، گھریلو مرغی وغیرہ حلال ہیں۔ شکاری پرندوں کا گوشت حرام ہے۔

پرندوں کی "حلیّت" (حلال ہونے) اور حرمت (حرام ہونے) کی تصریح نہیں کی گئی البتہ دو چیزوں کو "حرمت" کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

جو اپنے پروں کو پرواز کے وقت کم پھڑپھڑاتے ہوں اور بے حرکت زیادہ دکھتے ہوں اور جن کا پوٹا یا پاؤں کی پشت پر کانٹا نہ ہو، اس قسم کے پرندے حرام گوشت ہیں۔

غیر حیوانات میں سے ہر نجس چیز کا کھانا اور پینا حرام ہے۔ ایسے ہی متنجس یعنی جو خود تو پاک ہوں لیکن کسی نجاست کے گر جانے کی وجہ سے نجس ہو گئے ہوں)۔ اسی طرح ہر وہ چیز حرام ہے جو انسان کے لئے ضرر رساں

شکار کا تعلق جنگلی حلال گوشت حیوانات سے ہے مثلاً ہرن، جنگلی بکرا (پہاڑی بکرا)، جنگلی گائے وغیرہ۔ لہٰذا پالتو حیوانات مثلاً بھیڑ بکری اور گائے کا شکار جائز نہیں۔ شکاری کتے کا سدھایا ہوا ہونا ضروری ہے۔ اگر کتا سدھایا ہوا نہ ہو تو اس کا شکار حلال نہیں ہوگا۔ کتے کے علاوہ کسی دوسرے حیوان کے ذریعے شکار کرنا بھی جائز نہیں۔

ہتھیار اور آلے سے شکار کرنے میں شرط یہ ہے کہ آلہ لوہے کا ہو یا کم از کم دھات کا ہو تاکہ تیز ہونے کی وجہ سے حیوان کے بدن کو چاک کردے لہٰذا پتھر یا لوہے کے گرز سے شکار صحیح نہیں ہے۔

شکار اور ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ خدا کا نام لے کر شکار یا ذبح شروع کرے۔ اس کے علاوہ اور بھی شرائط ہیں جن کی یہاں گنجائش نہیں۔

۲۔ کتاب الاطعمہ والاشربہ :۔

"اطعمہ" یعنی کھانے کی اشیاء اور "اشربہ" یعنی پینے کی اشیاء۔ قدرتی عطیات سے کھانے اور پینے کے استفادہ کے لئے اسلام نے کچھ قوانین وضع کئے ہیں جنہیں آداب کہا جاتا ہے (لیکن یہ ایسے آداب ہیں جن پر عمل ضروری ہے) "صید" "ذباحہ" اور اطعمہ اور اشربہ کا بھی اسی قسم سے تعلق ہے۔ اسلام کی نظر میں "طیبات" عمومی اور کلی طور پر انسان کے لئے مفید اور حلال ہیں اور "خبائث" یعنی غیر مفید اور نجس چیزیں انسان کے لئے حرام ہیں۔ اسلام نے فقط اسی عمومی بیان (کلیہ) پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ کچھ چیزوں کی وضاحت و تصریح کردی ہے کہ یہ

نواں د دسواں سبق

فقہ کے اہم مسائل اور ابواب ۴

احکام

محقّق حلّی نے ابواب فقہ کی چوتھی قسم کو "احکام" کا نام دیا ہے احکام سے یہاں کوئی خاص تعریف مراد نہیں بلکہ وہ مسائل مراد ہیں جو عبادات، عقود اور ایقاعات سے نہ ہوں۔ محقق حلی نے انہیں "حکم" کے نام سے یاد کیا ہے۔ فرماتے ہیں احکام بارہ کتابوں پر مشتمل ہیں۔

۱- کتاب الصّید والذّباحۃ :-

یعنی جانوروں کے شکار اور انہیں ذبح کرنے کے مسائل۔ واضح رہے کہ ہر حلال حیوان کا گوشت کھانا اس وقت حلال ہے جب اسے ایک خاص طریقے سے "ذبح یا نحر" کیا گیا ہو یا (سدھائے ہوئے کتے یا کسی دھاتی آلے سے) اس کا شکار کیا ہو۔

اگر حیوان کو شرعی طریقے سے ذبح یا شرعی قوانین کے مطابق اس کا شکار کیا گیا ہو تو اسے حلال یا مذکّیٰ (تزکیہ شدہ) حیوان کہا جاتا ہے۔ اور اگر شرعی طریقے سے حلال نہ کیا گیا ہو تو اسے "میتۃ" (مردار) کہا جاتا ہے اور اس کا استعمال حرام ہے۔ اونٹ ذبح کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے جسے "نحر" کہا جاتا ہے۔

ان اصلی النوافل کل یوم"۔ قسم میں ایک شرط یہ تھی کہ وہ حرام یا مکروہ کام کی نہ ہو۔ لہٰذا مباح کام کی قسم ہو سکتی ہے لیکن نذر میں شرط ہے کہ جس کام کی نذر کی جائے وہ راجح ہو یعنی ایسا کام ہو جو دین یا دنیا کے لئے مفید ہو۔ پس ایسا کام جو راجح نہ ہو یعنی جس کا فعل اور ترک برابر ہوں اس کی نذر باطل ہوگی۔

قسم اور نذر کے پورا کرنے کا فلسفہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں خدا کے ساتھ معاہدہ کرلیا جاتا ہے اور جس طرح بندگانِ خدا کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان کا پاس و لحاظ ضروری و لازم ہے اسی طرح :
"اوفوا بالعقود" کے تحت خدا کے ساتھ کئے گئے عہد کو پورا کرنا بھی لازمی و ضروری ہے۔

عام طور پر وہ لوگ قسم یا نذر کرتے ہیں جو پختہ ارادے کے مالک نہیں ہوتے وہ قسم یا نذر کے ذریعے مطلوبہ کام کی انجام دہی کے لئے اپنے آپ کو پابند کرلیتے ہیں تاکہ آہستہ آہستہ عادت بن جائے اور سستی و کاہلی دور ہو جائے۔

لیکن فولادی عزم اور مضبوط ارادے کے مالک اشخاص ان چیزوں کے ذریعے اپنے آپ کو مجبور نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے ارادے کو غیر معمولی طور پر محترم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ ارادہ کر چکنے کے بعد کسی بیرونی دباؤ کے بغیر کر گزرتے ہیں۔

کہ وہ اتنی مزدوری (رقم وغیرہ) کے بدلے فلاں کام سرانجام دے لیکن جعالہ میں مزدور معین نہیں ہوتا بلکہ مالک ایک عام اعلان کرتا ہے کہ جو بھی فلاں کام انجام دے گا اسے اتنی مزدوری (رقم) دی جائے گی ۔

۱۰۔ کتاب الأیمان :-

" أیمان " (الف مفتوح کے ساتھ) یمین کی جمع ہے جو قسم کے معنی میں ہے ۔ اگر کوئی انسان قسم کھائے کہ فلاں کام انجام دے گا تو اس پر کام کا بجالانا واجب ہوجاتا ہے ۔ یعنی قسم پوری کرنا چاہئے البتہ قسم میں ایک شرط تو یہ ہے کہ خدا کے نام کی قسم کھائی جائے

اور دوسری یہ کہ جائز کام کے انجام دینے یا ترک کرنے پر قسم کھائے لہٰذا اگر کوئی حرام یا مکروہ کام پر قسم کھائے تو اس پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی ۔

مثلاً اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ میں فلاں مفید کتاب اوّل سے آخر تک پڑھوں گا یا قسم کھائے کہ دن میں ایک مرتبہ مسواک کروں گا تو یہ قسم جائز ہوگی اور اسے بجالانا ضروری ہوگا ۔

شرعی قسم توڑنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے ۔

۱۱۔ کتاب النذر :-

نذر کوئی کام انجام دینے کی ایک قسم کی شرعی ضمانت ہے ۔ مثلاً انسان نذر کرتا ہے کہ روزانہ نوافل پڑھوں گا تو یوں کہے گا : لِلّٰہ علی

اور فقیر و محتاج نہیں ہوگا تو مالک کو چاہئے کہ اس کی درخواست قبول کرے اور اپنے پاس سے کچھ سرمایہ بھی اسے دے (تاکہ وہ اپنی آزادانہ زندگی کا آغاز بہتر طریقے سے کرسکے)

استیلاد یہ ہے کہ اگر کوئی کنیز مالک سے حاملہ ہوگئی ہو تو وہ مالک کے فوت ہونے کے بعد خود بخود اولاد (اپنے بیٹے یا بیٹی) کے حصے میں چلی جاتی ہے اور چونکہ کوئی بھی عمودین (آباء و اجداد یا اولاد) کا مالک نہیں ہوسکتا لہٰذا وہ خود بخود آزاد ہوجائے گی (یعنی ایک لمحہ کے لئے بیٹے یا بیٹی کی ملکیت میں جائے گی اور دوسرے لمحے میں آزاد ہوجائے گی)

۸۔ کتاب الاقرار :۔

اقرار کا تعلق عدالتی قوانین سے ہے۔ حق ثابت کرنے کے اسباب میں سے ایک سبب اقرار ہے مثلاً کوئی شخص دعویٰ کرے کہ فلاں میرا مقروض ہے تو اس دعوے کے ثبوت کے لئے گواہ چاہئے۔ اگر گواہ اور ثبوت نہ ہو تو ایسا دعویٰ رد کردیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص خود کہے کہ میں فلاں شخص کا مقروض ہوں تو اس کا یہ اقرار گواہی اور دلیل کا قائم مقام سمجھا جائے گا۔ اقرار العقلاء علیٰ انفسھم جائز۔

۹۔ کتاب الجعالہ :۔

جعالہ اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے اجارۂ انسان سے مشابہ ہے۔ انسان کو کرایہ پر لینا یعنی کسی کاریگر یا ہنرمند سے طے کرنا

کے مسائل بیان فرما دیئے اور "کتاب الرق" (غلامی کا باب) الگ طور سے بیان نہیں فرمایا۔

فقہاء فرماتے ہیں، اسلام میں آزادی کے کئی اسباب ہیں۔ مالک خود بخود ارادتاً کسی غلام کو کفارہ کی ادائیگی یا فقط رضائے خدا کے لئے آزاد کرے۔

۲۔ "سرایت" یعنی اگر غلام کی غلامی کا کچھ حصہ مثلاً آدھا، تہائی، چوتھائی یا عشر کسی سبب سے آزاد ہوگیا ہو تو یہ آزادی باقی ماندہ غلامی میں بھی سرایت کر جائے گی۔

۳۔ عمودین کا مملوک ہونا یعنی اگر کوئی غلام اپنے باپ یا ماں، دادا یا دادی یا اپنے بیٹے، پوتے یا نواسے کا مملوک ہو جائے تو وہ خود بخود آزاد ہو جائے گا۔

۴۔ متفرق اسباب مثلاً اگر کوئی غلام نابینا ہو جائے یا جذام وغیرہ کے مرض میں مبتلا ہو جائے تو خود بخود آزاد ہو جائے گا۔

۷۔ کتاب التدبیر والمکاتبہ والاستیلاد :-

آزادی کے اسباب میں سے "تدبیر"، "مکاتبہ" اور "استیلاد" بھی ہیں۔ تدبیر یہ ہے کہ مالک وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد غلام آزاد ہے۔ مکاتبہ یہ ہے کہ غلام مالک کے ساتھ معاہدہ کرے کہ اتنے مال کی ادائیگی کے بعد وہ آزاد ہو جائے گا۔ قرآن مجید میں وضاحت ہے کہ اگر اس قسم کی درخواست غلام کی طرف سے ہو اور اس کا ایمان مسلم ہو یا اگر یقین ہو کہ آزاد ہونے کے بعد وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو سکے گا

پھر عورت حاکم شرعی کے سامنے کھڑی ہو کر کہے گی :

"میں خدا کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میرا شوہر اپنے دعوے میں جھوٹا ہے"۔

اور پانچویں مرتبہ کہے گی :

"مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر وہ اپنے دعوے میں سچا ہے"

اگر اس طرح دونوں لعنت کریں تو مرد و عورت ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائیں گے۔

۶۔ کتاب العتق :۔

عتق یعنی غلام آزاد کرنا۔ اسلام میں غلاموں کے لئے کچھ قوانین ہیں۔ اسلام کی نظر میں فقط انہی افراد کو غلام بنایا جا سکتا ہے جو کفار سے جنگ کی صورت میں قید ہو کر آئیں۔ غلام بنانے کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ انہیں قتل کر دیا جائے بلکہ انہیں اس امید پر غلام بنایا جاتا ہے کہ یہ کافر مجبوری کی حالت میں ایک مدت تک مسلمان معاشرے میں زندگی گزارنے اور اسلامی تربیت حاصل کرنے کے بعد ممکن ہے مسلمان ہو جائیں۔ حقیقت میں غلامی کا زمانہ ایک ایسا سفر ہے جسے غلام کفر کے دور کی آزادی سے اسلامی دور کی آزادی تک طے کرتا ہے۔ لہٰذا غلام بنانے کا مقصد یہ نہیں کہ وہ غلام ہی رہے بلکہ ہدف یہ ہے کہ کفار اسلامی تربیت اور آزاد معاشرے میں رہتے ہوئے معنوی آزادی حاصل کر لیں۔ لہٰذا اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لئے ایک وسیع پروگرام مرتب کیا ہے اور اسی نظریئے کے پیش نظر کہ اسلامی نقطۂ نظر تو آزادی ہے نہ کہ غلامی۔ فقہاء نے "کتاب العتق" کے ذیل میں غلامی

کہ قسم توڑ دے یا زوجہ کو طلاق دے۔ اگر شوہر قسم توڑ دے تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔ ہر جگہ قسم توڑنا حرام ہے لیکن اس مقام پر واجب ہے۔

۵۔ کتاب اللعان :۔

لعان بھی میاں بیوی کی ازدواجی زندگی سے متعلق ہے۔ لعان ایک قسم کا مباہلہ یعنی دونوں طرف سے ایک قسم کی نفرین ہے۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب شوہر اپنی زوجہ کو بدکاری کی تہمت لگائے یا اپنے گھر میں عورت کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے کا انکار کرے اور کہے کہ یہ میرا فرزند نہیں ہے۔ البتہ فرزند کی نفی سے عورت کی بدکاری ثابت نہیں ہوتی ممکن ہے کہ بچہ وطی بالشبہہ سے پیدا ہوا ہو۔ زنا سے نہ ہو۔ اگر کوئی شخص کسی عورت کو بدکاری سے متہم کرے اور چار عادل گواہ نہ لا سکے تو اس شخص پر حدِ قذف جاری ہوگی یعنی الزام تراشی کے جرم میں اسے اسی کوڑے مارے جائیں گے۔

اور اگر لعان ثابت ہو جائے تو اس سے حدِ قذف ساقط ہو جائے گی لیکن وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔ لعان حاکم شرعی کی موجودگی میں ہوگا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ لعان ایک قسم کا مباہلہ ہے یعنی طرفین سے ایک قسم کی نفرین و برأت ہوتی ہے۔ لعان کی ترتیب یہ ہوگی کہ شوہر حاکم شرعی کے سامنے کھڑا ہو کر چار مرتبہ کہے گا :

"میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں"۔

پانچویں مرتبہ کہے گا :۔

"مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں اپنے دعوے میں جھوٹا ہوں"۔

مبارات بھی خلع کی طرح طلاق بائن ہوتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں نفرت و ناپسندیدگی دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ اس میں بھی زوجہ ہی طلاق کے بدلے مال دیتی ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ طلاقِ خلع کے مقابلے میں دیئے گئے مال کی حد معین نہیں ہے جبکہ طلاق مبارات میں شرط ہے کہ مال زوجہ کے مہر سے زیادہ نہ ہو۔

۳۔ کتاب الظہار :۔

ظہار زمانۂ جاہلیت میں ایک قسم کی طلاق سمجھی جاتی تھی کہ اگر شوہر اپنی زوجہ سے کہہ دیتا : انت علی کظهر امی ۔ یعنی تو میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہے تو شوہر کا یہ جملہ کہنا عورت کے مطلقہ ہونے کے لئے کافی تھا۔ اسلام اسے طلاق نہیں سمجھتا البتہ اگر کوئی کام ایسا کر لے تو کفارہ واجب ہوگا یعنی ایک غلام آزاد کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

کفارہ ادا کرنے کے بعد عورت کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

۴۔ کتاب الایلاء :۔

"ایلاء" یعنی قسم کھانا لیکن یہاں خاص قسم مراد ہے۔ زوجہ کو تنبیہہ کرنے کے لئے شوہر قسم کھائے کہ ہمیشہ یا (چار ماہ سے زیادہ) ایک خاص مدت تک اس سے مباشرت نہیں کروں گا۔ اگر عورت حاکم شرعی سے شکایت کرے تو وہ شوہر کو دو کاموں میں سے ایک پر مجبور کرے گا

دوسرے مرد سے شادی کر کے اس سے ہمبستری نہ کر لے[1] پہلا شوہر اس سے ازدواجی تعلقات قائم نہیں کر سکتا۔

یا نویں طلاق کہ جس میں عورت شوہر پہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔

طلاق میں شرط ہے کہ :

۱۔ طلاق اس وقت دی جائے جب عورت پاکیزگی کے ایام میں ہو۔

۲۔ دو عادل گواہوں کی موجودگی میں صیغۂ طلاق جاری کرے۔

طلاق حلال ہونے کے باوجود خدا کو ناپسند ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:-

ابغض الحلال عند الله الطلاق

طلاق باوجودیکہ حرام نہیں خدا کو ناپسند ہے اور اس میں بھی کوئی راز ہے۔

۲۔ کتاب الخلع والمبارات :-

خلع اور مبارات بھی طلاق بائن کی دو قسمیں ہیں :-

خلع وہ طلاق ہے جس میں نفرت کا اظہار زوجہ کی طرف سے ہو اور عورت شوہر کو طلاق پر راضی کرنے کے لئے کوئی مال یا اپنا پورا مہر یا مہر کا کچھ حصہ بخش دے تاکہ وہ اسے طلاق دے سکے۔ اب جب شوہر عورت کو طلاق دے گا تو رجوع کا حق بھی ختم ہو جائے گا۔ عورت نے طلاق کے بدلے شوہر کو جو مال دیا ہے اگر وہ اسے واپس لے تو شوہر بھی رجوع کا حق رکھتا ہے۔

---

[1] پھر وہ مرد اگر اسے اپنی مرضی سے طلاق دے تو (عدت گزرنے کے بعد) عورت کا پہلا شوہر اس سے شادی کر سکتا ہے

آٹھواں سبق

فقہ کے اہم مسائل اور ابواب ۳

ایقاعات

محقق فرماتے ہیں، تیسری قسم "ایقاعات" ہے اور ان کی تعداد گیارہ ہے یعنی وہ افعال جن میں صیغہ جاری کرنا ضروری ہوتا ہے۔

۱۔ کتاب الطلاق :-

"طلاق" کسی شخص کی شادی و ازدواج کا معاہدہ ختم کر دینے سے عبارت ہے، پھر طلاق کی دو قسمیں ہیں :- بائن اور رجعی۔

طلاق بائن یعنی جس میں شوہر طلاق کا صیغہ جاری کر دینے کے بعد پھر عورت کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔

طلاق رجعی یعنی طلاق کا صیغہ جاری کر دینے کے بعد جب تک عورت کی "عدت" ختم نہ ہو، شوہر رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے۔

طلاق بائن میں رجوع نہ کر سکنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ عورت کی عدت ہی نہیں ہوتی مثلاً کوئی شخص اپنی اس بیوی کو طلاق دے جس کے وہ نزدیک ہی نہیں گیا اور یائسہ عورت کی طلاق (جس میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہو) یا عورت کی عدت بھی ہے لیکن مرد رجوع نہیں کر سکتا اگر تیسری یا چھٹی طلاق ہو۔ لہٰذا جب تک عورت کسی

کارِ خیر انجام دیا جائے۔

وصیتِ فکیہ : کہ انسان وصیت کرے کہ فلاں غلام میرے مرنے کے بعد آزاد ہے

۱۹۔ کتاب النکاح :۔

نکاح شادی کے معاہدے کا نام ہے۔ فقہاء نکاح کے باب میں سب سے پہلے عقد نکاح پر بحث کرتے ہیں۔ اس کے بعد "محارم" زیرِ بحث آتے ہیں یعنی کن رشتوں کے درمیان ازدواج حرام ہے ۔ مثلاً باپ بیٹی۔ ماں بیٹا۔ بہن بھائی وغیرہ۔

پھر نکاح کی دو قسموں : دائمی اور منقطع ۔ مرد و عورت کا اپنے اپنے فرائض اور حقوق سے عہدہ برآ نہ ہونے کی صورت، عورت اور بچوں کا نان و نفقہ گھر کے سربراہ پر ہے جیسے مسائل پر بحث کی جاتی ہے۔

یہاں پر عقود کی بحث مکمل ہوگئی ہے۔ محقق حلّی نے عقود کی بحث کی ابتداء میں فرمایا تھا کہ عقود کے پندرہ ابواب (کتابیں) ہیں۔ حالانکہ عملی طور پر زیادہ ہوگئے ہیں۔ معلوم نہیں کہ ایسا کیوں ہوا ؟ شاید لفظی غلطی ہے یا اس لحاظ سے پندرہ ہوں ، کہ محقق نے بعض ابواب کو بعض کا حصہ جانا ہو۔

(ہبہ کی ہوئی چیز) کو واپس لے کر عقد کو فسخ کر سکتا ہے۔

۱۷۔ کتاب السبق والرمایہ :۔

"سبق و رمایہ" گھوڑوں اور اونٹوں کی دوڑ اور تیراندازی کے مقابلے کی ایک قسم کی شرط اور معاہدہ ہوتا ہے۔ "سبق والرمایہ" باوجودیکہ شرط کی ایک قسم ہیں اور شرط لگانے سے اسلام نے منع کیا ہے لیکن اس کو سپاہیوں اور فوجیوں کی مشق کے طور پر جائز قرار دیا گیا ہے سبق و رمایہ جہاد کے ذیلی عنوان ہیں۔

۱۸۔ کتاب الوصیۃ :۔

"وصیّت" کا تعلق ان ہدایات وسفارشات سے ہے جنہیں مرنے والا اپنے مال یا نابالغ بچوں کے متعلق کسی شخص کو جاری کرتا ہے شریعت نے انسان کو اجازت دی ہے کہ وہ کسی شخص کو اپنا "وصی" مقرر کر جائے جو اس کے مرنے کے بعد اس کے نابالغ بچوں کی تربیت وحفاظت کرے۔ اسی طرح وہ حق رکھتا ہے کہ اپنے مال میں ایک تہائی کے متعلق وصیّت کرے کہ وہ اسے کہاں خرچ کرنا چاہتا ہے۔

فقہاء نے وصیت کی تین قسمیں کی ہیں :۔

تملیکیہ ، عہدیہ ، فکیہ ۔

وصیت تملیکیہ یہ ہے کہ انسان وصیت کر جائے کہ میرے مرنے کے بعد اتنا مال فلاں شخص کے لئے ہے۔

وصیّتِ عہدیہ :۔ انسان وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد فلاں عمل انجام دیا جائے مثلاً اس کے لئے حج یا زیارت یا نماز یا روزہ بجا لانے کے لئے کسی کو نائب مقرر کیا جائے یا ان کے علاوہ کوئی اور

دلیل ہے کہ وہ وقف میں قربت کے قصد کو شرط نہیں سمجھتے۔
وقف کی دو قسمیں ہیں : وقف خاص اور وقف عام۔ دونوں کے تفصیلی احکام ہیں۔

۱۵۔ کتاب السکنی والحبس :-

"سکنی" اور "حبس" دونوں وقف کی طرح ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وقف میں عین مال (چیز) ہمیشہ کے لئے "حبس" ہوتی ہے اور شخصی ملکیت کے قابل نہیں ہوتی۔ جبکہ "حبس" یہ ہے کہ اپنے مال کے منافع اور فائدہ کو معین مدت تک امور خیریہ کے لئے وقف کر دیا جائے اور مقررہ مدت کے گزر جانے کے بعد وہ چیز دوبارہ شخصی ملکیت میں آسکتی ہے اور "سکنیٰ" کا معنی یہ ہے کہ سکنی (گھر) مقررہ مدت تک کسی مستحق کو استفادہ کے لئے واگزار کر دینا اور مدت گزرنے کے بعد وہ دیگر اموال کی طرح اصلی مالک کی ملکیت شمار ہوگا۔

۱۶۔ کتاب الہبات :-

ہبہ یعنی بخشش ملکیت کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ انسان حق رکھتا ہے کہ اپنا مال کسی دوسرے شخص کو بخش دے۔
ہبہ کی دو قسمیں ہیں : معوضہ اور غیر معوضہ۔
ہبہ غیر معوضہ یہ ہے کہ "ہبہ" کے بدلے کوئی چیز نہ لی جائے۔
ہبہ معوضہ یہ ہے کہ "ہبہ" کے بدلے کوئی چیز لی جائے۔ ہبہ معوضہ ناقابل واپسی ہوتا ہے لیکن "ہبہ غیر معوضہ" اگر رشتے داروں کو دیا جائے یا جس چیز کو "ہبہ" کیا گیا ہے وہ ضائع ہوگئی ہو تو ناقابل واپسی ہے ورنہ قابل واپسی ہوتا ہے۔ "واہب" (ہبہ کرنے والا) عین موہوبہ

اور مستعیر دونوں منفعت سے استفادہ کرتے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ متاجر کو اس منفعت کے مقابلے میں "مال اجارہ" کی ادائیگی کرنا ہوتی ہے اور عین کے منافع کا مالک ہوتا ہے لیکن مستعیر منافع کا مالک نہیں ہوتا فقط اس "عین" سے استفادہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔

۱۳۔ کتاب الوکالۃ :۔

انسان کی احتیاجات میں سے ایک احتیاج کسی کو اپنا نائب مقرر کرنا ہے جو اس کے معاملات کو "ایقاع" یا "عقد" کی صورت میں انجام دے مثلاً کوئی شخص کسی کو اپنا وکیل مقرر کرے کہ وہ اس کی طرف سے عقد بیع یا اجارہ یا عاریۃ یا ودیعہ یا وقف یا صیغہ طلاق جاری کرے۔

وکیل مقرر کرنے والے کو "مؤکل" اور موکل جسے اپنا نائب مقرر کرتا ہے اسے "وکیل" اور خود اس عمل کو "توکیل" کہتے ہیں۔

۱۴۔ کتاب الوقف و الصدقات :۔

وقف یعنی اپنے مال کو اپنی ملکیت سے نکال کے کسی خاص مصرف کے لئے آزاد کردینا۔

وقف کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ

"تحبیس الاصل و تسبیل المنفعۃ

(عین چیز کی حفاظت کرنا، اس کو ناقابل انتقال بنادینا اور اس کے منافع کو آزاد چھوڑ دینا (یعنی اس سے منفعت اٹھانے کے لئے اپنا حق اس سے اٹھالینا ۔مترجم)

وقف میں قصد قربت کے شرط ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے محقق حلی کا وقف کو عبادت کے بجائے عقود کے باب میں ذکر کرنا

۱۱۔ کتاب العاریۃ :۔

"عاریۃ" سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے مال لے اور وہ اس سے استفادہ کرے۔ عاریۃ اور ودلیعہ دونوں امانت ہی کی قسمیں ہیں لیکن امانت میں ایک شخص دوسرے کو اپنا مال حفاظت کے لئے دیتا ہے اور فطری طور پر امین کو مالک کی اجازت کے بغیر کسی قسم کے استفادہ کا حق نہیں ہوتا۔ لیکن عاریۃ میں انسان اپنا مال دوسرے کو دیتا ہے کہ وہ اس سے استفادہ کرے اس کے بعد لوٹا دے مثلاً کوئی اپنا کپڑا یا لبس یا برتن وغیرہ کسی کو بطور عاریہ دے۔

۱۲۔ کتاب الاجارہ :۔

اجارہ کرایہ کی دو قسمیں ہیں :۔

ایک یہ صورت ہے کہ انسان اپنے مال کی منفعت کو اس رقم کے بدلے جسے مال الاجارۃ کہتے ہیں کسی دوسرے شخص کے حوالے کرے۔ مثلاً انسان عام طور پر مکان، لبس یا کپڑا کرایہ پر دے۔

یا دوسری صورت کہ انسان خود مزدور کی طرح جس کام کو معین مزدوری کے بدلے بجالانے کی ذمہ داری لے مثلاً لباس کی سلائی۔ سر اور داڑھی کی حجامت بنانا یمعمار کا کام وغیرہ۔

اجارہ اور بیع ایک دوسرے کی مثل ہیں کیونکہ دونوں میں معاوضہ ہوتا ہے البتہ بیع میں دونوں طرف عین ہوتی ہے اور اجارہ میں ایک طرف عین اور دوسری طرف منفعت۔ عوضین کو بیع میں "مبیع" اور "ثمن" کہتے ہیں اور اجارہ میں "عین موجرہ" اور "مال الاجارۃ" کہا جاتا ہے۔

اجارۃ عاریۃ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ وہ یہ کہ "مستاجر"

میں اس وقت شریک اور حصہ دار ہوگا جب کوئی فائدہ ہو، چاہے کم ہو یا زیادہ اور ممکن ہے کسی وقت سرمایہ دار کچھ نفع بھی حاصل نہ کر سکے بلکہ اصل پونجی ہی تلف ہو جائے اور دیوالیہ نکل جائے۔

لیکن آج کل پوری دنیا کے بنکوں میں سودی کاروبار کے ذریعے ہر صورت میں سرمایہ دار کو معین نفع ملتا ہے چاہے تجارت یا زراعت و صنعت میں لگائے ہوئے پیسے سے کوئی نفع ہو یا نہ ہو۔ فرض کریں اگر اس کاروبار میں کوئی نفع نہ ہو تو کاروبار چلانے والا مجبور ہے کہ معین مقدار سرمایہ دار کو ادا کرے چاہے اپنا گھر ہی بیچ کر ادا کرنا پڑے۔ اس قسم کے سودی نظام میں کبھی بھی سرمایہ کا دیوالیہ نہیں ہوتا کیونکہ اس ربوی نظام کی بنیاد پر سرمایہ دار عامل اور کاروبار کرنے والے کو سرمایہ قرض کی صورت میں دیتا ہے اور وہ اپنے قرض کا ہر حالت میں مطالبہ کرتا ہے چاہے سارے کا سارا سرمایہ ضائع ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اسلام میں سودی کاروبار کی سخت ممانعت ہے اور یہ جائز نہیں کہ سرمایہ دار کسی عامل یا بنک کو اپنا سرمایہ بطور قرض دے اور اصل سرمایہ کے علاوہ ہر حالت میں نفع لے۔

۱۰۔ کتاب الودیعۃ :۔

"ودیعۃ" یعنی امانت، دوسرے لفظوں میں اپنا مال کسی شخص کے حوالے کرنا اور اسے مال کی حفاظت و نگہداشت کے لئے اپنا نائب مقرر کرنا امانت اپنے مقام پر امین کے لئے کچھ احکام و ذمہ داریاں عائد کرتی ہے۔ جس طرح اگر وہ ضائع ہو جائے اور امین نے کوتاہی نہ کی ہو تو اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

کہ آپس میں نفع کی شرح طے کرلیں۔ مضاربہ کے لئے مضاربہ کا صیغہ جاری کرنا ہوگا یا کم از کم عملی طور پر معاہدہ ہونا ضروری ہے۔

۹۔ کتاب المزارعات والمساقات :-

"مزارعہ" (کھیتی باڑی) اور "مساقات" (کھیتوں کی میرابی)

مضاربہ کی مثل یہ دو قسم کی شرکتیں ہیں۔ دونوں میں کام اور سرمایہ کی شرکت ہوتی ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ "مضاربہ" میں کام اور سرمایہ کی شرکت کسب (معاش) اور تجارت کے لئے ہوتی ہے لیکن مزارعہ میں کام اور سرمایہ کی شرکت کھیتی باڑی کے لئے ہوتی ہے۔ مزارعہ میں شرکت اس معنی میں ہوتی ہے کہ پانی اور زمین کا مالک کسی دوسرے شخص سے کھیتی باڑی کا معاہدہ کرتا ہے اور دونوں کا اس پر اتفاق ہوجاتا ہے کہ زراعت سے آمدنی کا اتنا حصہ مالک زمین اور اتنا کام کرنے والے کے لئے ہوگا۔

مساقات یعنی کام اور سرمائے کی شرکت باغبانی وغیرہ میں ہوتی ہے۔ پھلدار درختوں کا مالک کسی مزدور سے طے کرے کہ باغبانی اور اس سے متعلقہ تمام امور مثلاً پانی دینا اور دوسرے ایسے کام جو درختوں کے پھل لانے میں ضروری ہیں وہ انجام دے گا اور آپس میں راضی ہوجائیں کہ مالک کا اتنا حصہ اور مزدور کا اتنا حصہ ہوگا تو ہر ایک مالک اور مزدور اپنا اپنا حصہ لیں گے۔

ایک نکتے کی وضاحت ضروری ہے۔ سرمایہ اور کام کی شرکت۔ مضاربہ یا مزارعہ یا مساقات جس شکل میں بھی ہو، چونکہ سرمایہ کا تعلق مالک سے ہوتا ہے لہذا سرمایہ میں جو نقصان ہوگا اس کا اثر مالک کے سرمایہ پر ہی پڑے گا اور دوسری طرف سرمایہ سے فائدہ یقینی بھی نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کم فائدہ ہو اور ایسا بھی ممکن ہے کہ فائدہ بالکل ہی نہ ہو۔ سرمایہ دار منفعت اور فائدہ

۷۔ کتاب الشرکت :۔

شرکت یعنی مال یا ایسا حق جس میں ایک سے زیادہ افراد شریک ہوں مثلاً وہ مال جو اولاد کو میراث میں ملے ورثہ جب تک اسے آپس میں تقسیم نہ کریں ایک دوسرے کے ساتھ اس مال میں شریک ہیں۔ یا مثلاً دو شخص بس یا گھوڑا یا زمین خریدتے ہیں یا چند افراد کسی ایسی شئے کو جو کسی کی ملکیت نہیں ہے جمع کرتے ہیں یا مخصوص کر لیتے ہیں مثلاً کسی بنجر زمین کو آباد کرتے ہیں۔ بسا اوقات اضطراری شرکت ہو جاتی ہے جیسے ایک شخص کی گندم کسی دوسرے شخص کی گندم سے اس طرح مخلوط ہو جائے کہ اس کا جدا کرنا ناممکن ہو۔

شرکت کی دو قسمیں ہیں۔ شرکت عقدی اور شرکت غیر عقدی۔
اب تک جو کچھ بیان ہوا ہے شرکت غیر عقدی کے بارے میں تھا۔ شرکت عقدی یہ ہے کہ دو یا چند افراد ایک معاہدہ اور عقد کے ذریعے کاروبار میں شرکت کا عہد و پیمان کریں مثلاً تجارت، زراعت یا صنعت وغیرہ

شرکتِ عقدی کے بہت سے احکام ہیں جو فقہ میں درج ہیں۔
شرکت کے باب کے ضمن میں تقسیم کے احکام بھی ذکر ہوتے ہیں۔

۸۔ کتاب المضاربہ :۔

مضاربہ شرکتِ عقدی ہی کی ایک قسم ہے لیکن دو یا چند افراد کے سرمایہ کی شرکت نہیں ہوتی بلکہ (اس میں) سرمایہ اور کام کی شرکت ہوتی ہے یعنی ایک یا چند افراد تجارت کے لئے سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور ایک یا چند دوسرے افراد (عامل) کارندے کے طور پر تجارت کے معاملات کو نمٹانے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ کام شروع کرنے سے پہلے ضروری ہے

ضامن بنے اور قرض کی ادائیگی کی ضمانت دے تو یہ "ضمان" ہوگی۔
ضمانت کی حقیقت کے بارے میں شیعہ اور سنی فقہ میں اختلاف ہے۔
شیعہ فقہ کے لحاظ سے ضمانت میں قرض مقروض کے ذمہ سے ضامن کے ذمہ منتقل ہوجاتا ہے۔ یعنی ضمانت مکمل ہوجانے کے بعد قرض خواہ، مقروض سے قرض کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ فقط ضامن سے قرض کے مطالبے کا حق رکھتا ہے۔ لیکن اگر ضامن نے مقروض کی درخواست پر ضمانت دی ہو تو ضامن قرض خواہ کو قرضہ ادا کردینے کے بعد مقروض سے (وہ قرضہ کی رقم) لے سکتا ہے۔ لیکن سنی فقہ میں ضمانت "کسی کی ذمہ داری کو کسی دوسرے پر ڈال دینا" ہے یعنی ضمانت کے بعد بھی قرض خواہ حق رکھتا ہے کہ مقروض سے قرض کا مطالبہ کرے یا خود ضامن سے۔

محقق نے "کتاب الضمان" کے ذیل میں "باب حوالہ اور کفالہ" کے احکام بھی ذکر کئے ہیں۔

۶۔ کتاب الصلح :۔

اس کتاب میں مصالحت کے احکام بیان ہوتے ہیں۔ اس صلح سے مراد وہ مصالحت نہیں جس کا ذکر جہاد میں کیا گیا ہے۔ کتاب الجہاد میں "صلح" سے مقصود ایک سیاسی معاہدہ ہوتا ہے لیکن عقود کے باب میں جس صلح کا تذکرہ ہوتا ہے اس سے مالی امور اور عرفی حقوق مراد ہوتے ہیں مثلاً کسی شخص نے کسی کا قرض دینا تھا لیکن مقدار معلوم نہیں تو اب اگر دونوں (طرفین) کسی معین مقدار پر راضی ہوجائیں تو یہ مصالحت ہوگی۔
عام طور پر اختلاف اور تنازع کی صورت میں مصالحت ہوتی ہے۔

چیز خریدی تھی اتنی قیمت پر بیچ دے۔

۲۔ کتاب الرہن :۔

رہن یعنی گروی رکھنا۔ گروی رکھنے والے اور گروی لینے والے کے احکام اس فقہی باب میں بیان ہوتے ہیں۔

۳۔ کتاب المفلس :۔

مفلس یعنی جس کا دیوالیہ نکل گیا ہو اور وہ شخص اپنا قرض اتارنے کی طاقت نہ رکھتا ہو ایسے شخص پر حاکم شرع اس وقت حکم امتناعی جاری کرتا ہے جب تک اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔ قرض خواہوں کو جتنا ممکن ہو سکے ادائیگی کی جاتی ہے۔

۴۔ کتاب الحجر :۔

حجر یعنی روکنا۔ اس سے مراد (کسی شخص کو اس کے مال میں) تصرف سے روکنا ہے۔ ملکیت تامہ رکھنے کے باوجود بہت سے مقامات پر شرعی مالک اپنی ملکیت میں تصرف نہیں کر سکتا۔ اس کی ایک مثال "مفلس" ہے جس کا بیان گزر چکا ہے۔ اسی طرح نابالغ بچہ، دیوانہ، سفیہ اور ایسا مریض جو مرض الموت میں اپنے مال میں ثلث (تیسرے حصے) سے زائد کی وصیت کرے۔ اسی طرح وہ مریض جو مرض الموت میں اپنے مال میں تیسرے حصے سے زائد کے نقل و انتقال کی وصیت کرے (یہ سب اپنی ملکیت میں تصرف کا حق نہیں رکھتے)

۵۔ کتاب الضمان :۔

"ضمان" جسے عرف عام میں ضمانت (ضامن ہونا) کہتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص کسی قرضخواہ یا قرضہ کا دعویٰ کرنے والے کے قرضہ کی ادائیگی کا

ساتواں باب

فقہ کے اہم مسائل اور ابواب ۲

عقود

محقق فرماتے ہیں کہ دوسری قسم "عقود" ہے اور یہ پندرہ کتابوں پر مشتمل ہے :-

۱۔ کتابِ تجارت :-

اس کتاب میں خرید و فروخت، معاملہ کرنے والوں (خریدار اور بیچنے والے) کی شرائط (عوضین) جنس اور قیمت کی شرائط، عقد کی شرائط (یعنی خرید و فروخت کا صیغہ جاری کرنے کی شرائط) نقد خرید و فروخت یا ادھار خرید و فروخت یعنی جنس نقد اور قیمت ادھار ہو یا معاملہ سلف کہ قیمت نقد اور جنس ادھار ہو، کے بارے میں بحث ہوتی ہے۔ البتہ ایسا معاملہ (خرید و فروخت) جس میں جنس اور قیمت دونوں ادھار ہوں باطل ہے۔ اسی طرح بیع کے باب میں "مرابحہ" (نفع پر بیچنا) "مواضعہ" (کم قیمت پر بیچنا) اور "تولیہ" (برابر قیمت پر بیچنا) سے متعلق بحث کی جاتی ہے۔ "مرابحہ" سے مراد وہ بیع ہے جس میں انسان کوئی چیز خریدے اور اسے کچھ نفع پر فروخت کردے اور "مواضعہ" سے مراد یہ ہے کہ انسان کوئی چیز خریدے اور نقصان اور کم قیمت پر بیچ دے۔ "تولیہ" سے مراد وہ بیع ہوگی کہ انسان نفع اور نقصان کے بغیر جتنی قیمت پر اس نے

فقط مردوں پر واجب ہے لیکن دفاعی جہاد ہر زمانے میں تمام مرد و زن پر واجب ہے۔

جہاد کی دو قسمیں اور بھی ہیں :- داخلی اور خارجی۔

اگر لوگوں میں سے کچھ لوگ امامِ برحق (جس کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے) پر خروج کرتے ہیں جیسا کہ خوارج یا جنگِ جمل یا جنگِ صفین میں لوگوں نے امام برحق پر خروج کیا یعنی بغاوت کی تھی۔ ان کے ساتھ جہاد کرنا بھی واجب ہے۔ فقہ میں جہاد کے احکام ذمہ کے احکام یعنی غیر مسلموں کا ان شرائط کو قبول کرنا جن کے ذریعہ وہ حکومت اسلامی کے تابع ہو کر زندگی گزاریں۔ اسی طرح اسلامی اور غیر اسلامی حکومتوں کے درمیان مصالحتوں پر بحث کی جاتی ہے۔

۱۰۔ امر بہ معروف و نہی از منکر :- اسلام چونکہ اجتماعی مذہب ہے اور اس کی مسئولیت بھی اجتماعی ہے اور مناسب ماحول کو سمجھتا ہے اور تمام لوگوں پر ایک مشترکہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ اچھائیوں اور نیکیوں کی حفاظت اور برائیوں اور غلط کاریوں کا خاتمہ کریں۔ نیکیوں کی حفاظت کا نام "امر بہ معروف" اور برائیوں کے خاتمہ کا نام "نہی از منکر" ہے۔

امر بہ معروف اور نہی از منکر اسلامی فقہ میں شرائط، قوانین اور نظام کے تحت ہیں جنہیں فقہ میں بیان کیا گیا ہے۔

یہاں تک عبادات کے دس ابواب ختم ہو گئے ہیں۔

ن۔ نحر (قربانی)

ح۔ حلق (سر منڈانا) اور جس کا پہلا حج نہ ہو اس کے لئے تھوڑے سے بال یا ناخن کاٹ لینا کافی ہے۔

ط۔ طوافِ حج۔

د۔ رکعتین طواف حج (طواف حج کی دو رکعت نماز)

س۔ سعی میان صفا و مروہ (صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا)

ط۔ طواف النساء۔

د۔ رکعتین طواف النساء۔ (طواف النساء کی دو رکعت نماز)

م۔ مبیت در منیٰ (منیٰ میں رات گزارنا)

د۔ رمی جمرات (پتھر مارنا)

جن اعمال حج کی ہم نے تفصیل بیان کی ہے وہ تیرہ ہیں لیکن شعر میں چودہ آئے ہیں۔ یہ اختلاف اس لئے ہے کہ شیخ بہائی رح افاضہ (یعنی عرفات و مشعر الحرام سے منیٰ کی طرف کوچ) کو ایک مستقل عمل شمار کرتے ہیں حالانکہ وہ مستقل عمل نہیں ہے۔

۹۔ کتاب الجہاد :-

اس کتاب میں اسلامی جنگوں سے متعلق بحث ہوتی ہے۔ اسلام ایک اجتماعی مذہب ہے اور اس کی مسئولیت بھی اجتماعی ہے۔ اسلئے یہ دستوراتِ اسلامی کے متن میں سے ہے۔ جہاد کی دو قسمیں ہیں ابتدائی اور دفاعی۔

شیعہ نقطۂ نظر سے ابتدائی جہاد پیغمبر اسلامؐ فرمان کے مطابق کیا جا سکتا ہے اس کے عل

۸۔ کتاب العمرۃ :۔ عمرہ بھی ایک قسم کا چھوٹا حج ہے لیکن شریعت کے مطابق ہر حاجی پر واجب ہے کہ پہلے عمرہ بجالائے اور اس کے بعد حج کے اعمال۔ عمرہ کے اعمال درج ذیل ہیں :۔

کسی ایک میقات سے احرام باندھنا، خانہ کعبہ کا طواف، نمازِ طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی تقصیر۔

شیخ بہائی نے اعمالِ حج و عمرہ کی ترتیب طلبہ کو ذہن نشین کرانے کے لئے ہر عمل کے پہلے حرف کو شعر کی لڑی میں پرو دیا ہے۔

"اطرستْ" للعمرۃ اجعل فہج
"او واز بحط رس طرمر" للحج

ا۔ احرام۔
ط۔ طواف۔
ر۔ رکعتین طواف (طواف کی دو رکعت نماز)
س۔ سعی بین صفا و مروہ (صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا یعنی دوڑنا
ت۔ تقصیر (بال کٹوانا)

جن کا مجموعہ لفظ "اطرست" بنتا ہے اس سے عمرہ کے پانچ اعمال کی طرف اشارہ ہے۔

ا۔ احرام (احرامِ حج)
و۔ وقوف در عرفات (عرفات میں قیام)
و۔ وقوف در مشعر الحرام (مشعر الحرام میں ٹھہرنا)
ا۔ افاضہ (یعنی عرفات و مشعر الحرام سے سرزمین منیٰ کی طرف کوچ کرنا)
ر۔ رمی جمرہ عقبہ۔

واجب ہوتا ہے یعنی ہر مکلّف بالغ شخص پر ماہ رمضان کے علاوہ پورے سال میں مجموعی طور پر روزہ مستحب ہے۔ سال میں دو دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن، کچھ دنوں میں روزہ رکھنا مکروہ ہے مثلاً عاشورہ کے دن۔

۶۔ کتاب الاعتکاف :۔ اعتکاف لغوی معنی کے لحاظ سے "ایک معین مقام پر ٹھہرنا" کے معنی میں ہے۔ فقہی اصطلاح میں اعتکاف تین یا اس سے زیادہ دن مسجد میں ٹھہرنا اور باہر نہ نکلنا اور تین دن روزہ بھی رکھنا سے عبارت ہے۔ اس عمل کی شرائط اور احکام فقہ میں درج ہیں۔ اعتکاف بذاتہ مستحب ہے نہ واجب لیکن اگر کوئی انسان اسے شروع کر دے اور دو دن گزر جائیں تو تیسرے روز ٹھہرنا اور روزہ رکھنا واجب ہو جاتا ہے۔ اعتکاف مسجد الحرام یا مسجد النبیؐ یا مسجد کوفہ یا مسجد بصرہ میں ضروری ہے یا کم از کم شہر کی جامع مسجد ہو۔ چھوٹی مسجد میں اعتکاف جائز نہیں۔ پیغمبر اسلامؐ ماہ رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرماتے تھے۔

۷۔ کتاب الحج :۔ حج اس معروف عمل کا نام ہے جسے حاجی مکّہ اور اس کے اطراف میں انجام دیتے ہیں۔ دستور کے مطابق حج عمرہ کے ساتھ بجالایا جاتا ہے۔ اعمال حج درج ذیل ہیں :۔

مکہ میں احرام باندھنا۔ عرفات کی سرزمین میں قیام۔ سرزمین مشعر میں ایک رات قیام۔ رمی جمرہ عقبہ، قربانی، حلق یا تقصیر، طواف، نماز طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی، طواف النساء، نمازِ طواف النساء، رمی جمرات۔ منیٰ میں رات گزارنا۔

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي
سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ (سورۃ توبہ آیت ۔۶۰)

زکوٰۃ (۱) فقراء (۲) مساکین (۳) وہ کارندے جو زکوٰۃ جمع کرتے ہیں
(۴) وہ افراد جن کی تالیف قلوب مقصود ہو۔ (۵) غلاموں کو آزاد کرانے۔
(۶) قرضداروں کے قرض ادا کرنے میں۔ (۷) خدا کی راہ میں۔
(۸) مسافروں کی مدد) پر خرچ کی جاتی ہے۔

۴۔ کتاب الخمس :۔ خمس بھی زکوٰۃ کی طرح کا ٹیکس ہے ۔خمس یعنی پانچواں حصہ۔ اہل تسنن کے نزدیک خمس یعنی فقط مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کرایا جائے جو رفاہ عامہ جیسے امور پر خرچ کیا جاتا ہے لیکن اہل تشیع کی نظر میں مال غنیمت ان چیزوں میں سے ایک ہے جن پر خمس واجب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ (۲) معدنیات (۳) دفینہ یعنی خزانہ (۴) حلال مال کا حرام سے اس طرح مخلوط ہو جانا کہ اسے جدا کرنا ممکن نہ ہو اور اس کے مالک کا بھی علم نہ ہو (۵) وہ زمین جو ذمی کافر کسی مسلمان سے خریدے (۶) وہ جواہرات جو سمندر میں غوطہ لگانے سے حاصل ہوتے ہیں ۔(۷) سال بھر کے اخراجات کے بعد جو بچ جائے۔ ان تمام امور میں خمس واجب ہے۔

مذہب شیعہ میں خمس وہ عظیم مالی ذخیرہ ہے جو کسی ملک کے بجٹ کے اہم حصے کو تشکیل دے سکتا ہے

۵۔ کتاب الصّوم :۔ روزہ کی حالت میں کھانے، پینے، جماع کرنے، غوطہ لگانے، گاڑھے غبار کے حلق تک پہنچانے اور کچھ دوسری چیزوں سے بچنا واجب ہے۔ ہر قمری سال میں ایک ماہ روزے رکھنا

وغیرہ ہیں۔

(۲) "طہارت از حدث" یا طبعی اور معنوی آلودگی۔ یہ وضو، غسل، تیمم سے عبارت ہے۔ جو نماز، طواف جیسی عبادات میں شرط ہے کچھ طبعی افعال مثلاً نیند، پیشاب، سونا وغیرہ سے وضو، غسل اور تیمم باطل ہو جاتے ہیں۔ نماز وغیرہ کے لئے ان کی تجدید ضروری ہوتی ہے۔

۲۔ کتاب الصلوٰۃ :۔ اس کتاب میں واجب نمازوں (یعنی پنجگانہ، نماز عیدین، نماز میت، نماز آیات، نماز طواف) اور نوافل (یعنی مستحبی نماز، نوافل یومیہ وغیرہ) اور شرائطِ نماز، ارکان نماز، مقدماتِ نماز، مبطلاتِ نماز اور شکیاتِ نماز وغیرہ۔ اسی طرح نماز کی انواع مثلاً حاضر نماز، نماز مسافر، فرادی نماز، نماز جماعت یا ادا نماز اور قضا نماز سے متعلق مسائل پر تفصیل سے بحث ہوتی ہے۔

۳۔ کتاب الزکوٰۃ :۔ زکوٰۃ ٹیکس کی طرح ایک خاص قسم کی مالی ادائیگی کا نام ہے جو نو چیزوں سے متعلق ہوتی ہے: سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور، کشمش، گائے، بھیڑ بکری اور اونٹ۔ فقہ میں ان نو چیزوں پر زکوٰۃ کے وجوب کی شرائط مقدار زکوٰۃ اور مصرفِ زکوٰۃ (کن مقامات پر زکوٰۃ خرچ کی جائے) سے متعلق بحث ہوتی ہے۔ قرآن میں اکثر مقامات پر نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کے مسائل میں سے فقط مصارف زکوٰۃ کی وضاحت کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا

دس ابواب "عبادت"۔ پندرہ ابواب "عقود"۔ گیارہ ابواب "ایقاعات" اور دس ابواب "احکام" سے متعلق ہیں لیکن عملی طور پر ہم بعد میں دیکھیں گے کہ کیا یہ اعداد و شمار درست بھی ہیں یا نہیں؟

اس ضمن میں یہ بات مخفی نہ رہے کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں فقہ پر لکھی گئی کتابیں فقہ کے تمام موضوعات کو شامل نہیں تھیں بلکہ کچھ موضوعات پر مشتمل ہوتی تھیں مثلاً علماء کے سوانح حیات پر مشتمل کتابوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ فلاں شخص نے "صلوٰۃ" اور فلاں شخص نے "اجارہ" اور ایک صاحب نے "نکاح" پر کتاب لکھی۔ البتہ بعد کے ادوار میں فقہ پر ایسی جامع کتابیں لکھی گئیں جو فقہ کے تمام موضوعات پر مشتمل اور پوری فقہ کا ایک کامل دورہ ہوں۔

فقہ کے ہر باب کو "کتاب" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دستور یہ ہے کہ "باب الصلوٰۃ" یا "باب الحج" لکھنے کے بجائے "کتاب الصلوٰۃ" یا "کتاب الحج" لکھتے ہیں۔ محقق حلی کی کتاب شرائع الاسلام کی ترتیب کے مطابق ہم فقہی مسائل کے اہم ابواب اسی کتاب سے نقل کرتے ہیں۔

عبادات

محقق حلی نے "عبادات" کو درج ذیل ترتیب سے ذکر کیا ہے:۔

۱۔ کتاب الطہارت :۔ طہارت کی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) "طہارت از خبث" یا ظاہری آلودگی سے پاک کرنا یعنی دس نجاسات میں سے کسی نجاست کا انسان کے بدن یا لباس یا کسی اور چیز سے دور کرنا اور وہ دس نجاسات: پیشاب، پاخانہ، خون، منی، مردار

یعنی یہ افعال صرف خدا کے لئے انجام دیئے جائیں اور اگر ان کی انجام دہی میں کوئی اور قصد یا غرض ہو تو ذمہ داری ساقط نہیں ہوگی اور اس کام کو دوبارہ بجالانا ضروری ہوگا یا اس طرح قصد قربت شرط نہیں ؟ اگر پہلی قسم سے متعلق ہوں مثلاً نماز، روزہ، خمس، زکواۃ، حج وغیرہ، تو اس قسم کے کاموں کو فقہ میں عبادات کا نام دیا جاتا ہے۔

اگر ان کا تعلق دوسری قسم سے ہو جن کے صحیح ہونے میں قصد قربت شرط نہیں مثلاً انہیں کسی اور غرض اور مقصد سے بھی بجالانا صحیح ہو تو ان کی دو قسمیں ہیں۔ ان کا واقع کرنا (بجالانا) کسی خاص صیغے کے اجراء پر موقوف ہوگا یا نہیں۔ اگر ان کا وقوع کسی خاص صیغہ کے اجراء کا محتاج نہ ہو تو انہیں احکام کہتے ہیں۔ مثلاً ارث، حدود، دیات وغیرہ اور اگر ان کا وقوع کسی خاص صیغہ کے اجراء کا محتاج ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو صیغہ کا اجراء طرفین کے لئے ضروری ہوگا یعنی ایک طرف سے ایجاب اور دوسری طرف سے قبول۔ یا طرفین سے صیغہ کے اجراء کی ضرورت نہیں فقط ایک ہی طرف سے صیغہ کافی ہے۔

اگر پہلی قسم ہو تو اس کو "عقد" کہتے ہیں مثلاً بیع، اجارہ، نکاح کہ جن میں ایک طرف سے ایجاب اور دوسری طرف سے قبول ہوتا ہے اور اگر ایک شخص تنہا صیغہ جاری کر سکتا ہو اور دوسری طرف سے صیغہ کی ضرورت نہ ہو تو اسے "ایقاع" کہتے ہیں مثلاً "ابراء" یعنی اپنے حق سے دستبردار ہو جانا اور اسے نظر انداز کر دینا۔ یا طلاق، عتق وغیرہ اس تقسیم اور دوسری تقسیمات پر ہم آئندہ صفحات میں بحث کریں گے۔

فقہ کے تمام ابواب کو محقق حلی نے اڑتالیس ابواب میں بیان کیا ہے:

چھٹا سبق

فقہ کے اہم مسائل اور ابواب

فقہ سے مختصر آگاہی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم فقہ کے اہم ابواب و مسائل سے مطلع ہوں۔ یہ واضح ہے کہ فقہ کا دائرہ بہت وسیع ہے کیونکہ فقہ ان تمام موضوعات کو شامل ہے جن کے متعلق اسلام نے عملی قوانین وضع کئے ہیں۔

سب سے پہلے اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ کیا فقہ کے وسیع و عریض مسائل کے ابواب اور انہیں کسی صحیح مرکز کے تحت تقسیم کیا گیا ہے یا نہیں؟ افسوس کہ ایسا نہیں ہوا۔ فقہ کے مسائل کی تقسیم اور ابواب بندی وہی مشہور ہے جو محقق حلی نے اپنی کتاب "شرائع الاسلام" میں اختیار کی ہے اور شہید اول نے قواعد میں اس کے بارے میں مختصر وضاحت کی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ شرائع اسلام کے ماہر ترین شارحین، مثلاً شہید ثانی نے "مسالک" میں آپ کے نواسے سید محمد نے "مدارک" میں اور شیخ محمد حسن نجفی نے "جواہر" میں محقق کی تقسیم کی ذرہ بھر تفسیر و توضیح نہیں کی۔ بہرحال محقق کی تقسیم اور دستہ بندی یہ ہے کہ انہوں نے ابواب فقہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:۔

عبادات ، عقود ، ایقاعات ، احکام

اس تقسیم کی اساس و بنیاد یہ ہے کہ انسان جن افعال کو شرعی حوالے سے بجا لائے ان افعال میں یا تو قربت الٰہی کا قصد شرط ہوگا

ایرانی قوم اور حکومت اپنی سیاست کو ہر قسم کی کجروی اور گمراہی سے بچائے اور پھر شیعہ عرفان اور تصوف کی معتدل ترین راہ اختیار کرے۔ اس لئے محقق کرکی اور شیخ بہائی جیسے جبل عامل کے فقہاء کا اصفہان میں فقہی حوزہ کی تأسیس، اس سرزمین کے باسیوں پر ایک عظیم حق ہے۔

(ھ) شکیب ارسلان کہتے ہیں کہ "جبل عامل میں تشیع ایران سے قدیم ہے"۔ یہ ان لوگوں کے نظریہ کا ایک قطعی جواب ہے کہ جو کہتے ہیں تشیع ایرانیوں کا خود ساختہ مذہب ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لبنان میں شیعیت مجاہد اکبر، صحابی رسولؐ حضرت ابوذر غفاریؓ کے ذریعے پھیلی[1] حضرت ابوذر غفاریؓ کچھ مدت شام کے اس علاقے میں اقامت پذیر رہے جس میں سارا لبنان یا اس کا کچھ حصہ شامل تھا۔ آپ معاویہ اور دیگر سارے امویوں کے دولت جمع کرنے کے خلاف برابر مبارزہ اور تشیع کے پاک مقصد کی تبلیغ میں مصروف رہے۔

---

[1] نشریہ دانشکدہ الٰہیات مشہد۔ آقای واعظ زادہ "بازدید چند کشور اسلامی عربی" کے ذیل میں جسے انہوں نے "جبل عامل فی التاریخ سے نقل کیا۔

زمانے میں علی بن بابویہ اور محمد بن قولویہ کی کوششوں سے ایران کے شہروں میں فقط قم ایک فقہی مرکز بنا۔ حوزہ علمیہ قم کو دوبارہ زندگی "صاحب قوانین" میرزا ابوالقاسم گیلانی قمی کے ذریعے ملی ۱۳۴۵ھ میں یعنی ۵۶ سال پہلے حاج شیخ عبدالکریم حائری کے ذریعے پھر حوزہ علمیہ قم کا احیاء ہوا اور اس وقت وہ دو[ل] شیعہ فقہی مراکز میں سے ایک مرکز ہے۔

لہٰذا وہ فقہ و عظیم فقہاء کا مرکز کبھی بغداد کسی وقت نجف، کسی دور میں جبل عامل، کچھ مدت حلب و حِلّہ، کسی عہد میں اصفہان اور کسی زمانے میں قم رہا۔ پوری تاریخ میں خصوصاً صفویوں کے دور کے بعد ایران کے دوسرے شہروں مثلاً مشہد، ہمدان، شیراز، یزد، کاشان، تبریز، زنجان، قزوین اور تون (حال فردوس) عظیم حوزہ ہائے علمیہ رہے ہیں۔ ایران کے ان سب شہروں میں قم، اصفہان اور کچھ مدت کے لئے کاشان کے علاوہ کوئی شہر بھی اوّل درجہ کے فقہاء کا مرکز نہیں تھا۔ ان کا شمار بڑے فقہی حوزوں میں نہیں ہوتا تھا۔ مذکورہ شہروں میں عالیشان اور تاریخی مدارس کا وجود ان کے فقہی اور علمی نشاط پر بہترین دلیل ہے۔ ان شہروں میں یادگار علمی جوش و خروش تھا۔

(د) فقہاء جبلِ عامل :- ایران میں صفویوں کی فکری تبدیلی کا باعث جبل عامل کے فقہاء تھے۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ صفوی درویش صفت انسان تھے اور ابتداء سے پارسائی کے خاص راستے پر چل رہے تھے۔ اگر جبلِ عامل کے فقہاء فقہ کی عمیق روش جاری نہ کرتے اور ایران میں فقہی حوزہ کی بنیاد نہ ڈالتے تو ان کی حالت بھی آج وہی ہوتی جو ترکی اور شام کے علویوں کی ہے۔ اس لئے اس میں ان کا بہت بڑا عمل دخل ہے کہ سب سے پہلے

[ل] صدام ملعون کے ناپاک ہاتھوں کے ذریعے علماء و مجتہدین و مومنین کے قتل عام اور مساجد، امام بارگاہوں اور شیعہ لائبریریوں کے تاراج ہونے کے بعد اب قم دنیائے تشیع کا واحد علمی و فقہی مرکز ہے۔

سے شروع ہو گئی تھی۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ فقہ میں سب سے پہلی کتاب (حضرت علیؑ کی خلافت کے زمانے میں آپ کے کاتب اور وزیر مالیات یعنی خزانہ دار عبداللہ بن ابی رافع کے بھائی) علی بن رافع نے لکھی تھی۔

(ب) کچھ لوگوں کے اس نظریہ کہ "عقائد اور فقہ شیعہ فقط ایرانی علماء کے ذریعے مرتب و منظم ہوئی" کے خلاف کہ اس میں ایرانی اور غیر ایرانی دونوں برابر کے) حصہ دار ہیں دسویں صدی اور صفویہ کی حکومت کے قائم ہونے سے پہلے معارف و فقہ شیعہ پر غیر ایرانی علماء غلبہ تھا۔ فقط صفویہ کے دور کے وسط سے ایرانیوں کا غلبہ رہا ہے۔

(ج) صفویوں کے دور سے پہلے ایران فقہ و فقاہت کا مرکز نہیں تھا۔ شیعہ فقہ کا پہلا مرکز بغداد اور اس کے بعد نجف، شیخ طوسی کے ذریعے مرکز بنا۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ — (جنوب لبنان کے مضافات میں) جبل عامل اور اس کے ساتھ ساتھ ہی تھوڑے عرصے بعد عراق کا ایک چھوٹا سا شہر حِلّہ فقہ و فقاہت کا مرکز بن گیا۔ شام کا ایک شہر حلب بھی ایک مدت تک بزرگ فقہاء کا مرکز رہا ہے۔ صفویوں کے دور میں مرکزیت اصفہان کی طرف منتقل ہو گئی۔ اس زمانے میں مقدس اردبیلی اور دوسرے اکابر فقہاء کے ذریعے حوزہ علمیہ نجف کو دوبارہ زندہ کیا گیا جو آج تک زندہ [1] ہے۔ جس زمانے میں بغداد اسلامی فقاہت کا مرکز تھا اسی

---

[1] لیکن جب سے صدام ملعون عراق کا حکمران بنا ہے حوزہ علمیہ کی رونق نہیں رہی بلکہ ختم ہو گئی ہے۔ (مترجم)

ہے۔ البتہ ان چھتیس شخصیات کے ذیل میں کچھ دیگر فقہاء کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ ہم جو کچھ بیان کر چکے ہیں اس سے چند نکتے اخذ کئے جا سکتے ہیں:

۱۔ تیسری صدی سے آج تک فقہ مسلسل زندہ ہے۔ اس میں کوئی بھی انقطاع نہیں آیا۔ حوزہ ہائے فقہی میں یہ بغیر وقفہ کے ساڑھے گیارہ صدیوں سے رائج اور جاری ہے۔ اس پوری مدت میں استاد اور شاگرد کا رشتہ نہیں ٹوٹا۔ مثال کے طور پر اگر ہم اپنے عظیم استاد آیت اللہ بروجردی مرحوم سے شروع کریں تو ائمہ اطہار علیہم السلام تک فقہی اساتذہ کے سلسلے کو ہم تسلسل کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی ساڑھے گیارہ صدی طویل اور مسلسل زندگی کا وجود اسلامی تہذیب و تمدن کے علاوہ کسی اور تمدن میں نہیں۔ ایسی دائمی تہذیب کا وجود سوائے اسلامی تہذیب کے اور کہیں نہیں ملتا جو حقیقی معنوں میں یک روح اور یک جان ہو۔ جس کے مرتب و منظم تمام طبقات کے درمیان صدیوں تک کوئی وقفہ نہ آئے اور زنجیر کے حلقوں کی طرح آپس میں ایک دوسرے سے پیوست ہوں اور ایک روح ان سب پر حاکم ہو۔ ممکن ہے کسی دوسری تہذیب و تمدن کا زمانہ اسلامی تہذیب سے زیادہ ہو لیکن وہ وقفہ کے ساتھ ہوگا دائمی نہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ تیسری صدی ہجری یعنی غیبت صغریٰ کے زمانے کو فقہ کا نقطہ آغاز قرار دینے کا مقصد یہ نہیں کہ شیعہ فقہ کی ابتداء تیسری صدی سے ہوتی ہے بلکہ اس لئے ہے کہ اس سے پہلے کا زمانہ ائمہ اطہار کا زمانہ تھا اور شیعہ فقہاء ائمہ اطہار علیہم السلام کے زیر اثر تھے اور ائمہؑ کی موجودگی میں وہ مستقل حیثیت نہیں رکھتے تھے ورنہ اجتہاد، شیعہ فقاہت اور فقہی کتب کی تالیف تو صحابہ کے زمانہ

سے علماء نے اس پر حواشی رقم کئے ہیں۔

اصول میں اخوند کی آراء حوزہ ہائے علمیہ میں برابر نقل ہوتی ہیں۔
اخوند خراسانی وہی ہیں جنہوں نے ضرورت مشروطیت کا فتویٰ دیا تھا۔
ایران کی مشروطیت آپ کی مرہونِ منت ہے۔

آپ نے ۱۳۲۹ھ میں وفات پائی۔

۳۶۔حاج میرزا حسین نائینی ؒ

چودھویں صدی کے اکابر فقہاء و اصولیوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے
آپ میرزا شیرازی اور سید محمد فشارکی اصفہانی کے شاگرد تھے عظیم المرتبت
مدرّس تھے۔علم اصول میں آپ کی زیادہ شہرت ہے۔ اخوند خراسانیؒ کے
ساتھ علمی مقابلہ و معارضہ کیا اور علم اصول میں جدید نظریات پیدا کئے۔
ہمارے زمانے کے متعدد فقہاء آپ کے شاگرد ہیں۔ فارسی میں آپ کی ایک
نفیس کتاب "تنزیہ الامۃ یا حکومت در اسلام" ہے جو مشروطیت
اور اسلامی بنیادوں کے دفاع سے متعلق ہے۔

آپ نے ۱۳۵۵ھ میں نجف میں وفات پائی۔

خلاصہ اور تحقیق

تیرھویں صدی غیبتِ صغریٰ کے زمانے سے لے کر چودھویں صدی
کے خاتمہ تک چھتیس نامور اور نمایاں فقہاء کا ہم نے تذکرہ کیا ہے۔اور
یہ سب فقہ و اصول کی دنیا میں بے انتہاء شہرت کے حامل تھے۔ان کے
اپنے زمانے سے آج تک کتابوں اور درسوں میں برابر ان کا تذکرہ ہوتا رہا

۱؎ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابو القاسم الخوئی مدظلہ آپ کے صف اوّل کے شاگرد ہیں (مترجم)

طرف منتقل ہوئی۔ آپ ۲۳ سال تک واحد شیعہ مرجع رہے۔ آپ وہی ہستی ہیں جنہوں نے تمباکو کی حرمت کا فتویٰ دے کر استعمار کا منصوبہ ناکام بنا دیا۔ آپ کے شاگرد لاتعداد ہیں۔ ان میں نمایاں اخوند ملّا محمد کاظم خراسانیؒ، سید محمد کاظم طباطبائی یزدیؒ، حاج آقا رضا ہمدانیؒ، حاج میرزا حسین سبزواریؒ، سید محمد فشارکی اصفہانیؒ، میرزا محمد تقی شیرازیؒ وغیرہ ہیں۔ اس وقت آپ کی کوئی کتاب باقی نہیں ہے۔ البتہ بسا اوقات آپ کی آراء فقہ میں زیر بحث لائی جاتی ہیں۔ ۱۳۱۲ھ میں فوت ہوئے۔

۳۵۔ اخوند ملّا محمد کاظم خراسانیؒ

آپ ۱۲۵۵ھ میں مشہد کے ایک غیر معروف خاندان میں پیدا ہوئے ۲۲ سال کی عمر میں تہران کی طرف ہجرت کی۔ بہت مختصر مدت میں فلسفہ پڑھا اور پھر عازم نجف ہوئے۔ دو سال تک شیخ انصاریؒ کے شاگرد رہے۔ البتہ زیادہ تر میرزا شیرازی سے علم حاصل کیا۔ میرزا شیرازیؒ نے ۱۲۹۱ھ میں سامرا کو محلِ سکونت قرار دیا لیکن اخوند خراسانی نجف سے باہر نہ گئے اور اپنی ایک کلاس تشکیل دی۔ آپ بہت کامیاب معلم گزرے ہیں۔ آپ کی کلاس میں دو ہزار دو سو تک شاگرد استفادہ کرتے تھے جن میں سے دو سو تو خود مجتہد ہوتے تھے۔

آخری دور کے فقہاء آقا سید ابو الحسن اصفہانیؒ، حاج شیخ محمد حسین اصفہانیؒ، حاج آقا حسین بروجردیؒ، حاج آقا حسین قمیؒ، آقا ضیاء الدین عراقیؒ سب آپ کے شاگرد ہیں۔ علم اصول میں آپ کی بہت زیادہ شہرت ہے اصول میں آپ کی کتاب "کفایۃ الاصول" اہم درسی کتاب ہے۔ بہت

۱۲۵۳ھ کے لگ بھگ آخری مرتبہ عتبات عالیہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور وہیں تدریس میں مشغول ہو گئے۔ صاحب جواہر کی وفات کے بعد آپ شیعہ مرجعیت پر فائز ہوئے۔

شیخ انصاری کو "خاتم الفقہاء والمجتہدین" کا لقب دیا گیا۔

آپ ان شخصیات میں سے ہیں کہ گہری فکر اور دقتِ نظر میں جن کی مثال بہت مشکل ہے۔ آپ نے علم اصول اور اس کے ذیل میں فقہ کو نئے مرحلے میں پہنچایا۔ فقہ و اصول کو آپ کی وجہ سے جو ترقی و ارتقاء ملا اس کی پہلے کہیں نظیر نہیں ملتی۔ "رسائل" اور "مکاسب" آپ کی دو مشہور درسی کتب ہیں۔

شیخ کے بعد علماء آپ ہی کے مکتب کے شاگرد اور پیروکار ہیں۔ آپ کی کتابوں پر علماء نے متعدد حواشی اور شروح لکھی ہیں۔ محقق حلّی، علامہ حلّی اور شہید اوّل کے بعد شیخ انصاری ہی وہ شخصیت ہیں کہ جن کے بعد علماء نے ان کی کتابوں پر حواشی اور شروح لکھی ہیں۔ زہد و تقویٰ میں ضرب المثل تھے۔ ان کے زہد و تقویٰ کی داستانیں بھی نقل ہوئی ہیں۔

آپ ۱۲۸۱ھ میں نجف میں فوت ہوئے اور وہیں آپ کا مدفن ہے۔

۴۴۔ حاج میرزا محمد حسن شیرازیؒ

"مرزا شیرازی بزرگ" کے نام سے مشہور ہیں۔ ابتدائی تعلیم اصفہان میں حاصل کی پھر نجف چلے گئے اور صاحب جواہر سے کسبِ فیض کیا۔

ان کے بعد شیخ انصاریؒ کے شاگرد رہے۔ آپ شیخ کے نمایاں اور صفِ اوّل کے شاگردوں میں تھے۔ شیخ انصاری کے بعد شیعہ مرجعیت آپ کی

صاحب جواہر عرب تھے۔ اپنے زمانے میں مرجعیتِ عامہ پر فائز تھے۔ ۱۲۶۶ھ میں ایران پر ناصر الدین شاہ کی حکومت کے اوائل ہی میں دنیا سے رخصت ہوگئے۔

۴۳۔ شیخ مرتضیٰ انصاری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا سلسلۂ نسب پیغمبرِ اسلام کے بزرگ صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ دزفول میں پیدا ہوئے۔ بیس سال تک اپنے والد سے علم حاصل کیا۔ اس کے بعد والد کے ساتھ عتبات عالیہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ علماء وقت نے جب آپ کی غیر معمولی ذہانت کو دیکھا تو آپ کے والد سے درخواست کی کہ اپنے فرزند کو واپس نہ لے جائیں۔ چنانچہ آپ چار سال تک عراق میں رہے۔ بزرگ اساتذہ سے استفادہ کرتے رہے۔ مسلسل ناگوار حادثات کی وجہ سے آپ کو وطن واپس آنا پڑا۔ دو سال کے بعد پھر عراق لوٹ گئے۔ دو سال مزید تحصیل علم کرنے کے بعد واپس ایران تشریف لائے اور پختہ عزم کیا کہ اب علماء ایران ہی سے استفادہ کروں گا۔

مشہد زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ راستے میں کاشان میں حاج ملا مہدی نراقیؒ سے ملاقات ہوئی۔ آقای نراقی کی ملاقات نے سفر کو اقامت میں بدل دیا۔ تین سال تک ان سے استفادہ کرتے رہے۔ بعد ازاں مشہد مقدس زیارت کے لئے گئے اور پانچ سال تک وہیں ٹھہرے شیخ نے اصفہان اور بروجرد کا بھی سفر کیا اور اس پورے سفر میں شیخ کا مقصد اساتذہ سے ملاقات اور ان سے استفادہ تھا۔ ۱۲۵۲ھ اور

پانچواں سبق

فقہ اور فقہاء کی مختصر تاریخ ۲

۳۲۔ شیخ محمد حسنؒ

آپ کی کتاب "جواہر الکلام" محقق کی کتاب "شرائع الاسلام" کی شرح ہے۔ اس کو شیعہ فقہ میں "دائرۃ المعارف" کا نام دیا گیا ہے۔ اس وقت کوئی فقیہ بھی اپنے آپ کو "جواہر" سے بے نیاز نہیں سمجھتا۔ یہ کتاب کئی بار چھپ چکی ہے۔ بیس ہزار صفحات پر مشتمل یہ کتاب تقریباً پچاس جلدوں میں ہے۔ ہر جلد چار سو صفحات پر حاوی ہے۔ مسلمانوں کی فقہی کتب میں "جواہر" ایک عظیم ترین کتاب ہے۔ یہ بات مدنظر رہے کہ اس کی ہر سطر میں ایسے علمی مطالب ہیں کہ جن کا مطالعہ کرنے کے لئے آدمی کے پاس وسیع وقت اور بہت زیادہ غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بیس ہزار صفحات کی کتاب پر کتنی قوت صرف ہوئی ہے۔ مسلسل تیس سال کی زحمت و محنت کا یہ عظیم ثمر وجود میں آیا۔ یہ کتاب ایک شخص کی ذکاوت، ہمت، استقامت، عشق، ایمان اور فعالیت کا نتیجہ ہے۔ صاحب جواہر کاشف الغطاء کے اور وہ صاحب "مفتاح الکرامہ" سید جوادؒ کے شاگرد ہیں۔ آپ کا نجف میں اپنا ایک عظیم حوزہ تھا۔ بہت سے شاگرد پیدا کئے۔

سید بحر العلوم ۱۱۵۴ھ یا ۱۱۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

۳۱۔ شیخ جعفر کاشف الغطاءؒ

وحید بہبہانیؒ اور سید مہدی بحر العلوم کے شاگرد عربی النسل اور فقہ میں غیر معمولی مہارت کے حامل تھے۔ فقہ میں آپ کی مشہور کتاب "کشف الغطاء" ہے۔ نجف میں زندگی گزاری۔ آپ نے صاحب "مفتاح الکرامۃ" سید جواد اور صاحب "جواہر الکلام" شیخ محمد حسنؒ جیسے بہت سے شاگردوں کی تربیت کی۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ چاروں فقیہ بنے۔ آپ فتح علی شاہ کے ہمعصر تھے اور اپنی کتاب "کشف الغطاء" کے مقدمہ میں آپ نے اس کی تعریف کی ہے۔ ۱۲۲۸ھ میں وفات پائی۔ کاشف الغطاءؒ فقہ میں گہرے اور وسیع نظریات کی وجہ سے عظمت سے یاد کئے جاتے ہیں۔

بہت سے نامور شاگرد پیدا کیئے۔

علاوہ ازیں وحید بہبہانیؒ نے اخباریوں کے خلاف سخت مہم چلائی جن کا اس وقت دور دورہ تھا۔ اجتہاد کا دفاع، اخباریوں کو شکست دینا نیز نامور مجتہدین کے گروہ پیدا کرنا ایسے کارنامے تھے جن کی وجہ سے آپ کو "استاد الکل" کہا جاتا ہے۔ آپ کا تقویٰ انتہا کی منزل پر تھا شاگرد آپ کے تہ دل سے احترام کے قائل تھے۔ وحید بہبہانی کا نسب مجلسی اوّل سے جا ملتا ہے۔ آپ (چند واسطوں سے) مجلسی اوّلؒ کے نواسے تھے۔ مجلسی اوّل کی دختر آمنہ بیگم وحید بہبہانی کی نانی ہیں۔

آمنہ بیگم ملا صالح مازندرانی کی زوجہ اور ایک فاضلہ و فقیہہ خاتون تھیں ان کے شوہر ملّا صالح بھی نامور عالم و فاضل تھے۔ کبھی کبھار آمنہ بیگم اپنے شوہر کی علمی مشکلات کو خود حل کرتی تھیں۔

۳۰۔ سید مہدی بحر العلومؒ

آپ وحید بہبہانیؒ کے محترم اور واجب التعظیم شاگرد تھے اور عظیم فقہاء میں سے تھے۔ فقہ میں آپ کی منظوم کتاب مشہور ہے۔ آپ کی آراء و نظریات فقہاء کی توجہ کا مرکز و محور ہیں۔ السید بحر العلوم کے عرفانی منازل طے کرنے کی وجہ سے شیعہ علماء آپ کے غیر معمولی احترام کے قائل ہیں۔ علماء آپ کو معصوم کے بعد کا درجہ دیتے ہیں۔ ان سے بہت زیادہ کرامات نقل ہوئی ہیں۔

شیخ جعفر کاشف الغطاءؒ اپنے عمامہ کے تحت الحنک کے ساتھ سید بحر العلوم کے جوتوں سے غبار صاف کرتے تھے۔

آپ سید ابراہیم قزوینیؒ کے استاد ہیں اور وہ اپنے فرزند سید حسین قزوینیؒ کے استاد ہیں اور سید حسین قزوینی سید بحر العلوم کے اساتذہ میں سے ہیں۔

۲۸۔ شیخ بہاء الدین اصفہانیؒ

آپ "فاضل ہندی" کے نام سے مشہور ہیں۔ علامہ کی کتاب قواعد کی شرح لکھی جس کا نام "کشف اللثام" ہے۔ اسی کتاب کی مناسبت سے آپ کو "کاشف اللثام" کہا جاتا ہے۔ آپ کی آراء، عقائد و نظریات فقہاء کی مکمل توجہ کا مرکز ہیں۔ فاضل ہندی بھی معقولات و منقولات کے عالم تھے۔

۲۹۔ محمد باقر بن محمد اکمل بہبہانیؒ

وحید بہبہانیؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ وافیہ کے شارح سید صدر الدین رضوی قمیؒ کے شاگرد اور وہ آقا جمال خوانساریؒ کے شاگرد تھے صفویہ حکومت کے خاتمے کے بعد حوزہ علمیہ اصفہان کی مرکزیت ختم ہو گئی تھی۔ کچھ علماء و فقہاء منجملہ وحید بہبہانی کے استاد سید صدر الدینؒ رضوی قمی افغان شورش کی وجہ سے عتبات عالیہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

وحید بہبہانیؒ نے کربلا کو مرکز قرار دیا اور سید مہدی بحر العلومؒ، شیخ جعفر کاشف الغطاءؒ، میرزا ابو القاسم قمیؒ مصنف "قوانین"، حاج ملا مہدیؒ نراقی، "ریاض" کے مصنف سید علیؒ، میرزا مہدی شہرستانیؒ، سید محمد باقر شفتی اصفہانیؒ (جو حجۃ الاسلام کے نام سے مشہور ہیں)، میرزا مہدی شہید مشہدی، "مفتاح الکرامہ" کے مصنف جواد اور سید محسن اعرجیؒ جیسے

فلسفی بھی۔ اسی لئے آپ معقولات و منقولات کے جامع تھے۔ فقہی کتابوں میں آپ کا نام برابر لیا جاتا ہے۔ فقہ میں آپ کی مشہور کتابیں "ذخیرہ" اور "کفایہ" ہیں۔ چونکہ آپ فلسفی بھی تھے بو علی سینا کی کتاب "الٰہیات الشفاء" پر حاشیہ بھی لکھا۔ آپ شیخ بہائی اور مجلسی اوّل کے شاگرد ہیں۔

۲۶۔ آقا حسین خوانساری

محقق خوانساری کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے بھی اصفہان کے مکتب میں پرورش پائی۔ آپ معقولات و منقولات کے عالم تھے محقق سبزواری کی بہن سے شادی ہوئی۔ فقہ میں آپ کی مشہور کتاب "مشارق الشموس" ہے جو شہید اوّل کی کتاب "دروس" کی شرح ہے۔ محقق خوانساری نے ۱۰۹۸ھ میں وفات پائی۔ آپ محقق سبزواری کے ہمعصر تھے۔ اس طرح آپ ملا محسن فیض کاشانی اور علامہ محمد باقر مجلسی جن کا اکابر محدثین میں شمار ہوتا ہے کے بھی ہمعصر تھے۔

۲۷۔ جمال المحققین

آپ آقا جمال خوانساری کے نام سے معروف اور آقا حسین خوانساری کے فرزند ہیں۔ باپ کی مثل معقولات و منقولات کے عالم تھے۔ "شرح اللمعہ" پر آپ کا مشہور حاشیہ ہے اور "طبیعیات شفاء" پر مختصر حاشیہ لکھا ہے جو تہران کی مطبوعہ "الشفاء" کے حاشیہ میں موجود ہے۔

آقا جمال دو واسطوں سے سید مہدی بحر العلوم کے استاد ہیں کیونکہ

تالیفات کے مؤلف تھے اور ادیب بھی تھے، شاعر بھی، فلسفی بھی تھے ریاضی دان بھی، انجینئر بھی تھے فقیہ بھی، مفسر بھی تھے اور طب سے بھی انجان نہیں تھے۔

آپ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے غیر استدلالی فقہ کا پورا دورہ فارسی زبان میں رسالہ عملیہ کی صورت میں لکھا جو آج بھی "جامع عباسی" کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ شیخ بہائی نے فقہ میں خصوصی مضمون کے لحاظ سے مہارت حاصل نہیں کی تھی اس لئے آپ کا شمار درجہ اوّل کے فقہاء میں نہیں ہوتا۔

آپ نے ملّا صدرا شیرازیؒ، ملّا محمد تقی مجلسی اوّلؒ، علامہ مجلسیؒ صاحب بحارالانوار کے والد گرامی محقق سبزواریؒ اور فاضل جواد کاظمیؒ (آیات الاحکام کے مصنف) جیسے بہت سے شاگرد تیار کئے۔

ایران میں شیخ الاسلام کا منصب محقق کرکیؒ کے بعد آپ کے سسر شیخ علی منشار بہائیؒ اور پھر آپ کے سپرد ہوا۔ شیخ بہائیؒ کی زوجہ ایک فاضلہ فقیہہ خاتون شیخ علی منشار بہائیؒ کی دختر تھیں۔

شیخ بہائیؒ ۹۵۳ھ میں دنیا میں آئے اور ۱۰۳۰ھ یا ۱۰۳۱ھ میں رخصت ہو گئے۔ شیخ بہائیؒ سیاح بھی تھے جنہوں نے مصر، شام، حجاز، عراق، فلسطین، آذر بائیجان اور ہرات کی سیاحت کی۔

۲۵۔ ملّا محمد باقر سبزواریؒ

محقق سبزواریؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ سبزوار کے رہنے والے تھے آپ نے اصفہان کے مدرسہ میں تربیت پائی جو فقہی مکتب بھی تھا اور

اتنا معلوم ہے کہ شہید ثانی کے شاگردوں کے پاس فقہ پڑھی۔ شہید ثانی کے فرزند (صاحب معالم) اور ان کے نواسے (سید محمد صاحب مدارک) نجف میں آپ کے شاگرد تھے۔

کتاب "زندگی جلال الدین دوانی" (مصنف فاضل محترم علی دوانی) میں ہے:

"ملا احمد اردبیلی، مولانا عبد اللہ شوشتری، مولانا عبد اللہ یزدی، خواجہ افضل الدین ترکہ، میر فخر الدین سماکی، شاہ ابو محمد شیرازی، مولانا میرزا جان اور میر فتح شیرازی خواجہ جمال الدین محمود کے شاگرد اور آپ محقق جلال الدین دوانی کے شاگرد تھے۔"

مقدس اردبیلی ظاہراً معقولات میں خواجہ جمال الدین محمود کے شاگرد تھے نہ کہ منقولات میں۔

مقدس اردبیلی نے ۹۹۳ھ میں نجف اشرف میں وفات پائی۔ فقہ میں آپ کی ایک مشہور کتاب "شرح ارشاد" اور دوسری "آیات الاحکام" ہے۔ آپ کے دقیق نظریات فقہاء کی توجہ کا محور ہیں۔

۲۴۔ شیخ بہاء الدین محمد عاملی

شیخ بہائی کے نام سے مشہور اور جبل عامل کے رہنے والے تھے۔ شہید ثانی کے شاگرد اور اپنے والد شیخ حسن بن عبد الصمد کے ہمراہ بچپن میں ایران آئے۔

شیخ بہائی اس لحاظ سے کہ آپ نے مختلف ممالک کا سفر کیا۔ متعدد اساتذہ سے مختلف علوم حاصل کئے اور اپنی استعداد و صلاحیت کے علاوہ علمی ذوق سے بھی سرشار تھے۔ ایک جامع شخصیت تھے جو مختلف

مقدس اردبیلی کے پاس پہنچ گیا اور درخواست کی کہ آپ شاہ عباس صفوی سے میری سفارش کریں۔ مقدس اردبیلی نے شاہ عباس کے نام یہ خط لکھا: "عارضی اور وقتی ملک (بادشاہت) کا بانی عباس جان لے کہ اگرچہ یہ شخص پہلے ظالم تھا لیکن اب اپنے آپ کو مظلوم ظاہر کرتا ہے۔ اگر اس کی خطا سے درگزر کرو گے تو شاید حق سبحانہٗ تمہاری خطاؤں میں سے کچھ سے درگزر فرمائے"۔

بندہ شاہ ولایت احمد اردبیلی

شاہ عباس نے مقدس اردبیلیؒ کو جوابی خط لکھا :-

"عرض خدمت ہے کہ عباس کو خدمت کا موقع دینا آپ کا احسان ہے۔ آپ کے حکم کی تعمیل کر دی گئی ہے۔ امید ہے اس محب کو دعائے خیر میں فراموش نہیں فرمائیں گے۔"

کلبِ آستانِ علی، عباس۔[۱]

مقدس اردبیلیؒ کے ایران نہ آنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ حوزہ علمیہ نجف کو حوزہ علمیہ اصفہان کے برابر ایک مرکز بنانا چاہتے تھے۔ شہید ثانیؒ آپ کے فرزند شیخ حسنؒ صاحب معالم اور آپ کے نواسہ سید محمدؒ صاحب مدارک کے ایران نہ آنے کی وجہ بھی یہی تھی۔ تاکہ حوزہ علمیہ شام اور جبل عامل ختم نہ ہو اور بدستور قائم رہے ۔ باوجودیکہ امام رضاؑ کی زیارت کے بیحد مشتاق تھے لیکن اسی لئے ایران تشریف نہ لائے کہ کہیں کسی رکاوٹ یا کسی اور وجہ سے ایران رکنا نہ پڑ جائے۔

یہ معلوم نہیں کہ مقدس اردبیلی نے فقہ کہاں اور کس سے پڑھی فقط

---

[۱] اگرچہ یہ واقعہ معتبر ماخذ سے ہی نقل کیا گیا ہے لیکن مقدس اردبیلی کی وفات اور شاہ عباس کے عنانِ حکومت سنبھالنے کا زمانہ قابل تحقیق ہیں۔

سفر کیا اور ہر باغیچہ سے ایک ایک پھول چن کر گلدستہ تیار کیا۔ آپ کے فقط سنی اساتذہ بارہ بیان کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ ایک جامع شخصیت تھے۔ فقہ و اصول کے علاوہ فلسفہ، عرفان، طب، نجوم سے بھی آگاہی رکھتے تھے۔ غیر معمولی زہد و تقویٰ کے مالک تھے۔ آپ کے شاگردوں نے آپ کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ تدریس کے ایام میں رات کو گھر والوں کے لئے لکڑیاں جمع کرتے اور دن کو سبق پڑھاتے۔ بعلبک میں ایک مدت تک پانچ مذاہب (جعفری، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کی تدریس کرتے رہے۔ شہید کی تالیفات بہت زیادہ ہیں۔ فقہ میں شہیدِ اوّل کی "اللمعہ" کی شرح اور محقق حلی کی شرائع کی شرح "مسالک الافہام" لکھی۔ محقق کرکی کے ایران آنے سے پہلے ان کے شاگرد رہے لیکن خود ایران نہ آئے۔

معروف شیعہ عالم صاحبِ معالم آپ ہی کے فرزند ہیں۔

۲۳- احمد بن محمد اردبیلیؒ

مقدس اردبیلی کے نام سے مشہور ہیں۔ زہد و تقویٰ میں ضرب المثل ہیں۔ شیعہ محققین فقہاء میں سے ہیں۔ محقق اردبیلیؒ نے نجف میں سکونت اختیار کی۔ "صفویہ" کے ہمعصر ہیں۔ کہتے ہیں کہ شاہ عباس صفوی نے اصرار کیا کہ آپ اصفہان آجائیں لیکن آپ نے نجف نہ چھوڑا۔ شاہ عباس چاہتا تھا کہ (اگر ایران آجائیں تو) آپ کو کوئی عہدہ دیا جائے یہاں تک کہ ایک مرتبہ اتفاقاً مقدس اردبیلی کو خود شاہ عباس سے رابطہ کرنا پڑا۔ ایک شخص کسی جرم کی وجہ سے ایران سے بھاگ کر نجف میں

کی کچھ کتابوں پر حواشی یا شروح لکھیں۔

محقق ثانیؒ کی ایران میں آمد سے قزوین اور بعد ازاں اصفہان میں حوزہ علمیہ کی تشکیل اور فقہ میں نامور شاگرد پیدا کرنے کی وجہ سے ایران صدوقین کے دور کے بعد پہلی بار شیعہ فقہ کا مرکز بنا۔

محقق کرکیؒ نے ۹۳۷ھ اور ۹۴۱ھ کے درمیان وفات پائی۔

محقق کرکی علی بن ہلال جزائریؒ کے اور وہ ابن فہد حلیؒ کے شاگرد تھے ابن فہد حلیؒ شہید اولؒ کے فاضل مقدادؒ جیسے شاگرد کے شاگرد تھے۔ اس لحاظ سے محقق ثانی دو واسطوں سے شہید اوّلؒ کے شاگرد ہیں۔

محقق کرکیؒ کے فرزند شیخ عبدالعالیؒ بن علی بن عبدالعالی بھی شیعہ فقیہ گزرے ہیں۔ انہوں نے علامہؒ کی "ارشاد" اور شہید اوّل کی کتاب "الفیہ" کی شرح لکھی۔

۲۲۔ شیخ زین الدینؒ

شہید ثانیؒ کے نام سے مشہور ہیں عظیم شیعہ فقہاء میں ایک جامع شخصیت تھے۔ مختلف علوم پر دسترس رکھتے تھے۔ جبل عامل کے رہنے والے تھے۔ آپ کے چھٹے جد امجد "صالح" علامہ حلیؒ کے شاگرد تھے۔ ظاہراً اصل میں طوس کے رہنے والے تھے۔ اس لئے شہید ثانی بسا اوقات "الطوسی، الشامی" کے دستخط کرتے تھے۔

آپ ۹۱۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۶۶ھ میں آپکو شہید کیا گیا۔

آپ نے بہت سے ممالک کا سفر کیا اور بہت سے اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ آپ نے مصر، دمشق، حجاز، بیت المقدس، عراق، استنبول کا

چوتھا سبق

علم فقہ اور فقہاء کی مختصر تاریخ ۳

۲۱۔ شیخ علی بن عبد العالی کرکی

محقق کرکی یا محقق ثانی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں، جبل عامل کے فقہاء میں سے تھے۔ آپ کا شمار شیعہ فقہاء میں ہوتا تھا۔ اپنی تعلیم شام و عراق میں مکمل کی۔

ایران میں آمد و تبلیغ دین:۔

اس کے بعد آپ (شاہ طہماسپ اول کے زمانے میں) ایران تشریف لائے۔ ایران میں پہلی بار آپ ہی کو شیخ الاسلام کا منصب سونپا گیا۔ آپ کے بعد اس منصب پر آپ کے شاگرد شیخ علی منشار جو شیخ بہائی کے سسر تھے، فائز ہوئے اور ان کے بعد یہ منصب خود شیخ بہائی کے سپرد ہوا۔

آپ کو شاہ طہماسپ نے اپنے ایک فرمان میں لکھا: "میں نے آپ کو اختیارات کا مالک قرار دیا۔" مشہور ہے کہ حقیقت میں آپ صاحب اختیار تھے اور شاہ خود کو آپ کا نمائندہ سمجھتا تھا۔

فقہ میں آپ کی جس کتاب کا بہت زیادہ تذکرہ ہوتا ہے "جامع المقاصد" ہے۔ یہ کتاب علامہ کی کتاب قواعد کی شرح ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے محقق کی "المختصر النافع اور شرائع الاسلام" اور علامہ اور شہید اول

جاتا ہے۔ شیعہ سنی علماء نے آیات احکام پر متعدد کتب لکھی ہیں۔ "کنز العرفان" ان میں سے بہترین یا (اس موضوع کی) سب سے بہترین کتاب ہے۔
فاضل مقدادؒ نے ۸۲۶ھ میں وفات پائی۔ آپ کا شمار نویں صدی ہجری کے علماء میں ہوتا ہے۔

۱۹۔ جمال السالکین ابو العباس احمد بن فہد حلی اسدیؒ

۷۵۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۴۱ھ میں وفات پائی۔ شہید اولؒ اور فخر المحققینؒ کے شاگردوں کے ہم طبقہ ہیں۔ حدیث میں آپ کے اساتذہ فاضل مقدادؒ شیخ علی بن خازنؒ فقیہ اور شیخ بہاء الدین علی بن عبد الکریمؒ ہیں۔ فقہ میں بھی ظاہراً آپ کے یہی اساتذہ ہیں۔ فقہ میں ابن فہد کی معتبر کتابیں "المختصر النافع (محقق حلی) کی شرح المہذب البارع۔ شہید اول کی الفیہ کی شرح "شرح الفیہ" اور علامہ کی ارشاد کی شرح "المقتصر" ہیں۔ ابن فہد حلیؒ اخلاق اور سیر وسلوک میں زیادہ شہرت رکھتے تھے اس عنوان میں آپ کی مشہور کتاب عدۃ الداعی ہے۔

۲۰۔ شیخ علی بن ہلال حائریؒ

زاہد متقی اور معقولات ومنقولات کے مجتہد تھے۔ ابن فہد حلیؒ آپ کے استاد تھے اور بعید نہیں کہ وہ فقہ میں ان کے استاد ہوں۔ اپنے دور کے شیخ الاسلام اور رئیس الشیعہ تھے۔ محقق کرکیؒ آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ آپ کو شیخ الاسلام اور فقیہ کے لقب سے سراہا گیا ہے۔
ابن ابی جمہور احسائیؒ بھی فقہ میں آپ کے شاگرد تھے۔

علامہؒ اور شہید اولؒ) کی کتابیں فقہ میں متون کی صورت میں ہیں،
(بعد میں آنے والے دوسرے علماء نے ان پر حواشی اور شروح لکھی ہیں
ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی اور کی کتابوں کو اتنی اہمیت دی گئی ہو جتنی
اہمیت ان تین بزرگوں کی تالیفات اور علمی آثار کو دی گئی ہے۔

البتہ ایک صدی پہلے شیخ مرتضیٰ انصاریؒ گزرے ہیں جن کی وفات کو ۱۱۳ سال ہو چکے ہیں۔ فقط ان کی دو کتابوں (فرائد الاصول اور مکاسب) نے اتنی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ہے۔

شہید اولؒ کا خاندان علم، شرافت اور فقہ کا گہوارہ تھا۔ اس شرافت کی متواتر کئی نسلوں تک حفاظت کی گئی۔ شہید کے تینوں فرزند علماء و فقہاء میں سے تھے۔ شہید کی زوجہ ام علیؒ اور دختر ام الحسنؒ بھی فقیہہ تھیں۔ عورتوں کو شہید فقہی مسائل معلوم کرنے کے لئے ان دو فاضلہ خواتین کی طرف بھیجتے تھے۔

کتاب "ریحانۃ الادب" میں مرقوم ہے کہ کچھ بزرگ علماء نے شہید کی دختر فاطمہؒ کو "شیخنة" اور "ست المشائخ" یعنی سیدۃ المشائخ کا لقب دیا ہے۔

۱۸۔ فاضل مقدادؒ

حلہ کی بستی "سیور" کے رہنے والے ہیں اور شہید اولؒ کے شاگرد ہیں۔ فقہ میں آپ کی مشہور کتاب جو آج تک دستیاب ہے "کنز العرفان" ہے۔ یہ کتاب آیات احکام پر مشتمل ہے۔ اس میں ان آیات کی تفسیر کی گئی ہے کہ جن سے فقہی مسائل کا استنباط کیا

۱۷۔ محمد بن مکیؒ

شہیدِ اوّلؒ کے نام سے مشہور، فخرالمحققینؒ کے شاگرد اور عظیم شیعہ فقہاء میں سے ہیں۔ محقق حلیؒ اور علامہ حلیؒ کے پایہ کے فقیہ تھے۔ جبل عامل (لبنان) کے رہنے والے ہیں۔ زمانۂ قدیم سے جنوبی لبنان کا ایک خطہ "جبلِ عامل" تشیع کا مرکز رہا ہے۔

شہید اوّلؒ ۷۳۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۸۶ھ میں ایک مالکی فقیہ کے فتویٰ اور اس پر شافعی فقیہ کی تائید سے شہید کئے گئے۔ آپ علامہ حلیؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ فقہ میں آپ کی مشہور کتابوں میں ایک "اللمعہ" ہے جو آپ نے انتہائی مختصر مدت میں اسی زندان میں لکھی جس میں آپ کو شہید کیا گیا تھا۔

عجیب اتفاق ہے کہ دو سو سال بعد ایک بزرگ فقیہ نے اسی کتاب کی شرح لکھی تو وہ بھی کتاب کے مصنف کی طرح شہید کئے گئے اور شہید ثانیؒ کا لقب پایا۔ "شرح اللمعہ" شہید ثانیؒ کی تالیف ہے جو آج تک درسی نصاب میں شامل ہے اور حوزہ ہائے علمیہ میں پڑھائی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ شہیدِ اوّلؒ کی کتابیں دروس، ذکریٰ، بیان، الفیہ، قواعد ہیں۔ شہیدِ اوّل کی تمام کتابیں قیمتی فقہی سرمایہ ہیں۔

محققؒ اور علامہؒ کی کتابوں کی طرح شہید کی کتابوں پر فقہاء نے بہت زیادہ شروح اور حواشی لکھے ہیں۔

شیعہ فقہاء میں ساتویں اور آٹھویں صدی کے تین فقہاء (محققؒ،

ایک سو کے لگ بھگ قلمی یا مطبوعہ کتب موجود ہیں۔ ان میں سے "تذکرۃ الفقہاء" جیسی فقط ایک کتاب ہی آپ کے نابغۂ روزگار ہونے کے لئے کافی ہے۔

محقق کی طرح فقہ میں علاّمہ کی بہت زیادہ تصانیف ہیں جن پر بعد میں آنے والے علماء نے حواشی اور شرحیں لکھیں۔

فقہ میں علاّمہ کی مشہور کتابیں: ارشاد، تبصرۃ المتعلمین، قواعد، تحریر، تذکرۃ الفقہاء، مختلف الشیعہ اور منتھی ہیں۔

علامہ نے بہت سے اساتذہ سے استفادہ کیا۔ فقہ میں محقق حلی، فلسفہ و منطق میں خواجہ نصیر الدین طوسی اور فقہ تسنن کو علماء اہلِ تسنن سے حاصل کیا۔

علامہ ۶۴۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۲۶ھ میں دنیا سے کوچ فرما گئے۔

۱۶۔ فخر المحققین

آپ علامہ حلّی کے فرزند ہیں۔ ۶۸۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۷۱ھ میں وفات پائی۔ علامہ حلّی نے "تذکرۃ الفقہاء" اور "القواعد" کے مقدمہ میں اپنے فرزند کو انتہائی احترام سے یاد کیا ہے اور قواعد کے آخر میں آرزو کی ہے کہ باپ کے نامکمل کاموں کو بیٹا پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا۔

فقہ میں فخر المحققین کی کتاب "ایضاح الفوائد فی شرح مشکلات القواعد" ہے۔ "ایضاح" میں فخر المحققین کی آراء فقہی کتب میں بہت اہمیت کی حامل ہیں۔

لکھا ہے کہ فقہ اہل البیتؑ میں محقق کے ماہر ترین استاد محمد بن نما حلیؒ اور ان کے عظیم ترین استاد ابن ادریس حلیؒ تھے۔"

ظاہراً محقق کرکیؒ کی مراد یہ ہے کہ ابن ادریسؒ، ابن نماؒ کے استاد تھے کیونکہ ابن ادریسؒ نے ۵۹۸ھ میں وفات پائی اور محققؒ ۶۷۶ھ میں فوت ہوئے۔ اس لحاظ سے محققؒ نے یقینی طور پر ابن ادریسؒ کے درس میں شرکت نہیں کی۔

ریحانۃ الادب میں مرقوم ہے کہ محقق حلیؒ اپنے باپ اور دادا اور سید فخار بن معد موسویؒ اور ابن زہرہؒ کے شاگرد ہیں۔ یہ بھی درست نہیں کیونکہ زہرہؒ کی وفات ۵۸۵ھ میں ہوئی۔ محقق حلیؒ کے والد کا ابن زہرہؒ کا شاگرد ہونا بعید نہیں۔

محقق علامہ حلیؒ کے استاد تھے۔ فقہ میں ان پر کسی کو بھی برتر نہیں سمجھا جاتا۔ فقہاء کی اصطلاح میں لفظ "محقق" سے مراد آپ ہی کی ذات ہوتی ہے۔ فلسفی اور بزرگ ریاضی دان خواجہ نصیر الدین طوسیؒ نے حلہ میں آپ سے ملاقات کی اور آپ کے فقہ کے درس میں شرکت کی۔

محققؒ کی شرائع الاسلام جیسی کتاب درسی کتب میں شامل ہے بہت سے فقہاء نے آپ کی کتابوں کی شرح اور حواشی لکھے ہیں۔

۱۵۔ حسن بن یوسف بن علی بن مطہر حلیؒ

علامہ حلیؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ زمانے کی حیران کن شخصیت تھے۔ آپ کی فقہ، اصول، کلام، منطق، فلسفہ، رجال جیسے علوم پر

میں آپ کی مشہور کتاب " وسیلہ " ہے۔

۱۳۔ ابن ادریس حلیؒ

شیعہ بزرگ علماء میں سے تھے۔ خود عرب تھے۔ شیخ طوسیؒ (چند واسطوں سے) آپ کے نانا تھے۔ آزادی فکر میں مشہور تھے۔ رعب اور دبدبے میں آپ نے اپنے نانا کو بھی دو قدم پیچھے چھوڑ دیا۔ علماء و فقہاء پر تنقید کرتے ہوئے حد سے گزر جاتے تھے۔ ۵۹۸ھ میں ۵۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

فقہ میں آپ کی نفیس کتاب " سرائر " ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ابن زہرہؒ کے شاگرد ہیں لیکن " السرائر " کی کتاب " کتاب الودیعۃ " کی بعض تعبیرات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ابن زہرہؒ کے فقط ہمعصر تھے اور ان سے آپ کی ملاقات رہتی تھی اور بعض فقہی مسائل میں ان کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا ہے۔

۱۴۔ شیخ ابوالقاسم جعفر بن حسن بن یحییٰ بن سعید حلیؒ

محقق کے نام سے مشہور ہیں۔ فقہ میں کئی کتابوں کے مصنّف ہیں ان میں " شرائع الاسلام ۔ معارج ۔ معتبر ۔ المختصر النافع " زیادہ مشہور ہیں۔

محقق حلیؒ ایک واسطہ سے ابن زہرہؒ اور ابن ادریس حلیؒ کے شاگرد تھے۔ صاحب الکنیٰ والالقاب " ابن نما " کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں : " محقق کرکیؒ نے محقق حلیؒ کی تعریف کرتے ہوئے

ہیں۔ حلب (شام) کے رہنے والے تھے۔ ۵۸۵ھ میں وفات پائی فقہ میں آپ کی مشہور کتاب "غنیۃ" ہے۔ جہاں بھی فقہاء کی اصطلاح میں "حلبیان" (تثنیہ کا صیغہ) بولا جائے اس سے مراد ابو الصلاح حلبیؒ اور ابن زہرہ حلبیؒ ہوتے ہیں۔ اور "حلبیون" سے ابو الصلاح حلبیؒ، ابن زہرہؒ اور ابن البراجؒ مراد ہوتے ہیں۔

مستدرک جلد ۳ صفحہ ۵۰۶ میں شیخ طوسیؒ کے حالات کے ذیل میں جو کچھ بیان ہوا اس کے مطابق ابن زہرہؒ نے شیخ کی کتاب "النہایۃ" ابو علی حسن بن الحسینؒ (جو ابن حاجب حلبی کے نام سے مشہور ہیں) کے پاس پڑھی۔ انہوں نے ابو عبداللہ زینو بادیؒ سے نجف میں اور انہوں نے شیخ رشید الدین علی بن زیرک قمیؒ اور سید ابو ہاشم حسینیؒ سے اور ان دونوں نے شیخ عبدالجبار رازیؒ سے اسی کتاب کی تعلیم حاصل کی اور شیخ عبدالجبارؒ، شیخ طوسیؒ کے شاگرد ہیں۔ اس قول کے مطابق ابن زہرہ چار واسطوں سے شیخ طوسیؒ کے شاگرد بنتے ہیں۔

۱۲۔ ابن حمزہ طوسیؒ

عماد الدین طوسیؒ کے نام سے مشہور ہیں اور شیخ طوسیؒ کے شاگردوں کے ہم طبقہ ہیں۔ کچھ علماء نے انہیں شیخ کے شاگردوں کے شاگردوں کا ہم طبقہ شمار کیا ہے اور کچھ نے اس دور سے بھی متأخر قرار دیا ہے۔ اس میں زیادہ تحقیق کی ضرورت ہے۔

آپ کا سن وفات صحیح طور پر معلوم نہیں شاید چھٹی صدی ہجری کے دوسرے نصف میں وفات ہوئی۔ خراسان کے رہنے والے تھے۔ فقہ

یہ نسبت درست ہو تو ابو صلاح لازمی طور پر تین طبقہ کے علماء کے شاگرد رہے ہیں۔ فقہ میں آپ کی مشہور کتاب "کافی" ہے۔ آپ نے ۴۴۷ھ میں وفات پائی۔ اگر آپ کی عمر سو سال ہو اور ۴۴۷ھ میں وفات پائی ہو تو آپ کی عمر دونوں اساتذہ سے زیادہ تھی شہید ثانی آپ کو "خلیفۃ المرتضیٰ فی البلاد الحلبیۃ" کہتے تھے۔

۱۰۔ حمزہ بن عبدالعزیز دیلمیؒ

سلار دیلمی کے نام سے مشہور ہیں۔ تقریباً ۴۴۷ھ سے ۴۶۳ھ کے درمیان کسی سال فوت ہوئے۔ ایران کے رہنے والے تھے۔ خسرو شاہ تبریز میں وفات پائی۔ شیخ مفیدؒ اور سید مرتضیٰؒ کے شاگرد تھے۔ فقہ میں آپ کی مشہور کتاب "مراسم" ہے۔ سلار ہر حال میں شیخ طوسیؒ کے طبقہ سے ہیں نہ شاگردوں سے۔

حالانکہ محقق حلیؒ "المعتبر" کے مقدمہ میں سلارؒ، ابن البراجؒ اور ابو الصلاح حلبی کو "اتباع ثلاثہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں یعنی ان کو پیروکار شمار کرتے ہیں۔ ظاہراً اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ یہ تین حضرات تین دوسرے حضرات (شیخ مفیدؒ، سید مرتضیٰؒ، شیخ طوسیؒ) کے تابع اور پیروکار تھے۔

۱۱۔ سید ابو المکارم ابن زہرہؒ

حدیث میں شیخ الطائفہ کے فرزند شیخ ابو علیؒ سے ایک واسطے سے روایت کرتے ہیں اور چند واسطوں سے فقہ میں شیخ طوسیؒ کے شاگرد

علوم دینی کے شیعہ طلاب ان کے پاس ہر طرف سے جوق در جوق آنا شروع ہو گئے۔ وہ خود بھی زاہد اور متقی عالم تھے۔ عماد طبریؒ کہتے ہیں کہ اگر غیر انبیاء پر صلوات جائز[1] ہوتی تو میں اس شخص پر صلوات بھیجتا آپ ۴۶۰ھ میں وفات پا گئے[2]۔

۸۔ قاضی عبدالعزیز حلبیؒ

ابن البراج کے نام سے مشہور ہیں۔ سید مرتضیٰ اور شیخ طوسی کے شاگرد ہیں۔ شیخ نے آپ کو شام کے شہروں کا قاضی مقرر فرمایا۔ آپ شام کے شہر طرابلس میں بیس سال تک قاضی رہے۔ ۴۸۱ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ "مہذب" اور "جواہر" آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

۹۔ شیخ ابوالصلاح حلبیؒ

آپ بھی شام کے رہنے والے تھے۔ سید مرتضیٰؒ اور شیخ طوسیؒ کے شاگرد تھے۔ سو سال کی عمر پائی۔ "ریحانۃ الادب" میں ہے کہ آپ سلار بن عبدالعزیزؒ (جن کا ذکر بعد میں آئے گا) کے شاگرد ہیں۔ اگر

---

[1] موصوف سنی المسلک ہیں ورنہ شیعہ امامیہ کے نزدیک اخبار و روایات پیغمبرؐ کے ذریعے ثابت ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی آلؑ پر درود بھیجنا نہ فقط جائز ہے بلکہ ضروری ہے (مترجم)

[2] شیخ ابوالحسن محمد کے حالات شہیدؒ نے اپنے دوست آقای شیخ نصر اللہ شبستری تبریزی سے لئے ہیں جنہوں نے یہ حالات شیخ طوسیؒ کی کتاب "رجال" پر علامہ سید محمد صادق بحر العلوم کے مقدمہ سے نقل کئے ہیں۔

۴۶۰ھ میں یہیں آپ کا انتقال ہوا۔ نجف اشرف میں آپکی قبر مشہور ہے
شیخ طوسیؒ کی فقہی کتاب "النہایۃ" ہے جو عرصہ دراز سے طلّاب کی درسی کتاب ہے۔ ان کی ایک اور کتاب "مبسوط" ہے جس میں شیخ نے فقہ کو ایک نئی جلا بخشی۔ یہ فقہی کتاب اپنے دور کی مفصل ترین کتاب ہے۔ فقہ میں آپ کی تیسری کتاب "خلاف" کے نام سے مشہور ہے جس میں شیخ الطائفہ نے اہل تسنن اور شیعہ فقہاء کی آراء کو ذکر کیا ہے۔ فقہ میں ان کتابوں کے علاوہ بھی شیخ کی کتابیں ہیں۔ ایک صدی پہلے تک کے قدماء اگر فقہ میں "شیخ" کے لفظ کو مطلق ذکر کرتے تو اس سے مقصود آپ ہی کی ذات ہوتی تھی، اور اگر "شیخین" کہتے تو اس سے مراد شیخ مفیدؒ اور شیخ طوسیؒ ہوتے تھے۔

شیخ طوسیؒ ان چند معروف علماء میں سے ہیں جن کا نام فقہ کے ہر باب میں لیا جاتا ہے۔ چند پشتوں تک شیخ کے خاندان میں سارے کے سارے علماء و فقہاء تھے۔ آپ کے فرزند شیخ ابو علیؒ جلیل القدر فقیہ اور مفید ثانی کے لقب سے مشہور ہیں۔ مستدرک الوسائل (جلد ۳، صفحہ ۴۹۸) کے مطابق شیخ ابو علی نے کتاب "امالی" کے علاوہ اپنے والد کی کتاب "النہایۃ" کی شرح بھی لکھی ہے۔ "لؤلؤ البحرین" میں ہے کہ شیخ کی بیٹیاں بھی فقیہہ اور فاضلہ تھیں۔ شیخ ابو علیؒ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند ابوالحسن محمدؒ کی طرف حوزہ علمیہ نجف کی مدیریت و ریاست اور شیعہ مرجعیت منتقل ہوئی۔

ابن عماد حنبلی اپنی کتاب "شذرات الذہب فی اخبار من ذہب" (جلد ۴ صفحہ ۱۲۶-۱۲۷) میں لکھتے ہیں کہ اس بزرگ شخصیت کے دور میں

تیسرا سبق

علمِ فقہ اور فقہا کی مختصر تاریخ

۷۔ شیخ ابو جعفر طوسیؒ

شیخ الطائفہ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ اسلامی دنیا کے ایک روشن ستارہ تھے۔ فقہ، اصول، حدیث، تفسیر، کلام، رجال میں کئی کتابوں کے مصنف اور خراسان کے رہنے والے تھے۔ ۳۸۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۰۸ھ میں آپ نے ۲۳ سال کی عمر میں بغداد کی طرف ہجرت کی۔ اس زمانے میں بغداد اسلامی علوم و ثقافت کا بہت بڑا مرکز تھا۔

آخر عمر تک آپ عراق میں رہے۔ اپنے استاد سید مرتضیٰؒ کے فوت ہونے کے بعد شیعہ مرجعیت کے عظیم منصب پر فائز ہوئے۔

تعلیم و تربیت:۔ پانچ سال تک شیخ مفیدؒ کے شاگرد رہے اور پھر عرصۂ دراز تک شیخ مفید کے مشہور شاگرد سید مرتضیٰؒ سے استفادہ کرتے رہے۔ اپنے استاد سید مرتضیٰؒ کی وفات (۴۳۶ھ) کے بعد ۲۴ سال تک بقید حیات رہے۔

اپنے استاد کے بعد بارہ سال تک بغداد ہی میں رہے لیکن ان مصیبتوں کے بعد نجف اشرف کی طرف ہجرت کی جن کی وجہ سے آپ کا گھر تاراج ہو گیا تھا۔ نجف اشرف آکر آپ نے حوزہ علمیہ کی

تلاوت قرآن مجید میں گزارتے۔ شیخ مفیدؒ ابن ابی عقیلؒ کے شاگرد کے شاگرد تھے۔

۶۔ سیّد مرتضیٰؒ

آپ علم الہدیٰ کے نام سے مشہور ہیں۔ ۳۵۵ھ میں ولادت اور ۴۳۶ھ میں وفات ہوئی۔

علامہ حلّیؒ آپ کو "معلّم شیعہ امامیہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

آپ ادیب، متکلم، فقیہ یعنی ایک جامع شخصیت تھے۔ آپ کی فقہی آراء فقہا کی توجہ کا مرکز ہیں۔

فقہ میں آپ کی ایک مشہور کتاب "انتصار" ہے اور ایک دوسری "جمل العلم والعمل" ہے۔

آپ اور نہج البلاغہ کے جامع آپ کے بھائی سید رضیؒ دونوں شیخ مفیدؒ کے شاگرد ہیں۔

شیخ مفیدؒ کے استاد تھے۔ تحقیقاً یہ قول اس مندرجہ بالا قول سے زیادہ قوی ہے جس میں جعفر بن قولویہؒ کو علی بن بابویہؒ کا ہمعصر بیان کیا گیا ہے۔ فقہ میں ابن ابی عقیلؒ کی آراء کا بہت عمل دخل ہے۔ آپ ان شخصیات میں سے ہیں جن کا نام فقہ میں بار بار لیا جاتا ہے۔

۴۔ ابن جنید اسکافیؒ

شیخ مفیدؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ بقولے ۳۸۱ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی تصنیفات و تالیفات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پچاس کے لگ بھگ ہیں۔ ابن جنیدؒ اور ابن ابی عقیلؒ کو "فقہاء قدیمین" سے یاد کرتے ہیں۔ ابن جنیدؒ کی آراء فقہ میں ہمیشہ زیر بحث رہیں۔

۵۔ شیخ مفیدؒ

آپ کا اسم گرامی محمد بن محمد بن نعمان ہے۔ متکلّم (علم کلام کے ماہر) اور فقیہ ہیں۔ ابن ندیم "الفہرست" کے دوسرے فن کے پانچویں مقالہ میں شیعہ متکلمین کی بحث میں شیخ کو "ابن معلّم" کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔

آپ ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۱۳ھ میں فوت ہوئے۔ فقہ میں آپ کی مطبوعہ مشہور کتاب "مقنعہ" آج بھی موجود ہے۔ شیخ مفیدؒ اسلامی دنیا کے ایک درخشاں مینار ہیں۔

سیرت و کردار:۔ آپ کے داماد ابو علی جعفریؒ بیان کرتے ہیں کہ مفید رات کو مختصر سوتے تھے۔ باقی وقت نماز، مطالعہ، تدریس یا

ابن ندیم "الفہرست" میں لکھتے ہیں: "ان کی کتابیں خراسان میں عام رائج ہیں۔" حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے آج تک نہیں دیکھا کہ فقہ میں ان کی آراء نقل کی گئی ہوں۔ ان کی کتب فقہ ضائع ہو گئی ہیں۔

عیاشی ابتدا میں سنی المسلک تھے بعد میں شیعہ ہوئے۔ باپ سے میراث میں کافی ثروت ملی تھی جو سب کی سب کتابوں اور شاگردوں کی تعلیم و تربیت پر صرف کر دی۔

کچھ علماء نے شیخ مفیدؒ کے استاد "جعفر بن قولویہ" کو بھی فقہ میں علی بن بابویہ کے ہمعصر اور غیبت صغریٰ کے زمانہ کے فقہاء میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ "جعفر بن قولویہ" سعد بن عبداللہ اشعری کے شاگرد مشہور ہیں۔[1] چونکہ آپ شیخ مفیدؒ کے استاد ہیں اور ۳۶۷ھ یا ۳۶۸ھ میں وفات پائی اس لئے آپ کو علی بن بابویہ کا ہمعصر اور غیبت صغریٰ کے علماء میں سے نہیں شمار کیا جا سکتا۔ البتہ آپ کے والدِ بزرگوار محمد بن قولویہ کا شمار غیبت صغریٰ کے علماء میں ہوتا ہے۔

۳- ابن ابی عقیل عمانیؒ

کہا جاتا ہے کہ یمنی ہیں۔ عمان دریائے یمن کے ساحلوں میں سے ہے۔ تاریخ وفات معلوم نہیں۔ غیبت کبریٰ کے آغاز میں زندہ تھے۔ بحر العلوم فرماتے ہیں کہ آپ شیخ جعفر بن قولویہ کے استاد اور جعفر بن قولویہ

---

[1] الکنیٰ والالقاب۔

فضل بن شاذان (نیشاپوری)، یونس بن عبدالرحمن اور متأخرین میں سے محمد بن بابویہ قمی (شیخ صدوقؒ) و محمد بن یعقوب کلینیؒ ہیں۔
اور صاحب فتویٰ (مراجع) حضرات میں سے علی بن بابویہ قمیؒ، ابن اسکافیؒ ابن ابی عقیل، شیخ مفیدؒ، سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ اور شیخ طوسیؒ ہیں۔
محقق پہلے گروہ کو اہلِ نظر و اجتہاد سمجھتے ہیں اور انہیں اصحابِ فتویٰ میں شمار نہیں کرتے اگرچہ ان کی کتابیں ان کے اجتہاد کا خلاصہ تھیں لیکن فتاویٰ کی بجائے احادیث و روایات پر مشتمل تھیں۔
اب ہم غیبتِ صغریٰ کے فقہاء سے بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

۱۔ علی بن بابویہ قمیؒ

آپ نے ۳۲۹ھ میں وفات پائی اور قم مقدسہ میں دفن ہیں۔
شیخ محمد بن علی بن بابویہؒ (شیخ صدوقؒ) کے پدر بزرگوار ہیں جو ایران کے شہر "رے" میں دفن ہیں۔
بیٹا محدث اور باپ صاحب فتویٰ فقیہ ہیں۔ عام طور پر باپ اور بیٹا "صدوقین" کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

۲۔ عیاشی سمرقندیؒ

علی بن بابویہ قمی کے ہمعصر بلکہ ان سے کچھ پہلے کے مشہور مفسر عیاشی سمرقندیؒ ہیں۔ ایک جامع شخصیت ہیں۔ اگرچہ تفسیر کے حوالے سے زیادہ مشہور ہیں لیکن فقہاء میں بھی شمار کئے جاتے ہیں۔ فقہ اور دوسرے مختلف علوم میں کافی کتابوں کے مصنف ہیں۔

فقہاء کے اسماء کے ذیل میں ان کی حدیث یا فقہ کی کتابوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

وہ حسین بن سعید اہوازی اور آپ کے بھائی کے متعلق لکھتے ہیں:

اوسع اھل زمانھما علما بالفقہ والآثار والمناقب۔

(علم فقہ اور آثار و مناقب میں یہ دونوں اپنے ہمعصر علماء پر فوقیت رکھتے تھے)

یا علی بن ابراہیم قمی کے متعلق لکھتے ہیں:

من العلماء والفقہاء (ان کا شمار علماء و فقہاء میں ہوتا ہے)

محمد بن حسن بن احمد بن الولید قمی کے متعلق لکھتے ہیں:

و لہ من الکتب کتاب الجامع فی الفقہ۔

(ان کی کتب میں سے ایک "الجامع فی الفقہ" ہے)

فقہی کتب ظاہراً اس شکل میں تھیں کہ فقہاء نے ہر باب میں وہ احادیث درج کی تھیں جنہیں وہ معتبر جانتے اور جن پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ یہ کتب احادیث کا مجموعہ بھی تھیں اور صاحبانِ کتب کی فکر اور ان کا نظریہ بھی۔ محقق حلّی اپنی کتاب "معتبر" کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

"چونکہ ہمارے فقہاء رضوان اللہ علیہم بہت زیادہ ہیں ان کی تالیفات فراواں اور سب کے اقوال نقل کرنا ناممکن ہے لہٰذا میں صرف انہی کے تذکرہ پر اکتفاء کرتا ہوں جن کا فضل و کمال اور تحقیق مسلّم ہے اور ان فضلاء کی کتب ان کے اجتہاد کی دلیل اور خود ان کے نزدیک بھی قابلِ اعتماد ہیں۔ متقدمین (ائمہؑ کے ہمعصر فقہاء) میں سے حسن بن محبوب، احمد بن ابی نصر بزنطی، حسین بن سعید (اہوازی)

شیعہ فقہاء کی مختصر تاریخ

شیعہ فقہاء کی تاریخ کا آغاز ہم غیبتِ صغریٰ (۲۶۰ھ-۳۲۰ھ) سے کرتے ہیں کیونکہ :

۱۔ غیبتِ صغریٰ سے پہلے کا دور ائمہ اطہار علیہم السلام کی موجودگی کا زمانہ ہے۔ ائمہ اطہار علیہم السلام کے زمانے میں اگرچہ فقہاء، مجتہدین اور صاحبانِ فتویٰ موجود تھے اور ائمہؑ بھی انہیں فتویٰ دینے کی ترغیب و تشویق دلاتے تھے لیکن ائمہ علیہم السلام کی موجودگی میں فقہاء کی مثال سورج کے سامنے چراغ کی سی تھی۔ شیعہ مرجعیت خود ائمہ علیہم السلام کے پاس تھی اور لوگ حتی الامکان شرعی احکام کے منبع اصلی سے براہِ راست فیضیاب ہونے کو اپنے لئے باعثِ سعادت بھی سمجھتے تھے اور پھر خود فقہاء بھی ممکنہ حد تک تمام شرعی مشکلات کے حل کے لئے سفر جیسی تکالیف کے باوجود ائمہ اطہار علیہم السلام کی طرف رجوع کرتے تھے۔

۲۔ ہمارے درمیان مروج تدوین شدہ فقہ غیبتِ صغریٰ ہی کے زمانے سے شروع ہوتی ہے۔ غیبت سے پہلے کی فقہ اس وقت ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہے یا کم از کم میں اس سے مطلع نہیں ہوں۔ ہر صورت ائمہؑ کے زمانے ہی میں عظیم شیعہ فقہاء موجود تھے جن کی قدر و منزلت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم دیگر مذاہب کے ہم عصر علماء سے ان کا تقابلی جائزہ لیں۔

ابن ندیم نے اپنی بین الاقوامی شہرت کی حامل کتاب "فہرست ابن ندیم" کے چھٹے مقالہ کے پانچویں فن کو شیعہ فقہاء کے ساتھ مختص کیا ہے۔

برقرار ہے۔ ہزار سال یا اس سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود ان کے درمیان کوئی وقفہ بھی نہیں ہوا۔ ہم اپنے ایک اور رسالہ میں مختصر طور پر علم و عرفان کے تسلسل اور دوام پر گفتگو کر چکے ہیں (۱)

خوش قسمتی سے یہ مسئلہ مسلمان علماء کی توجہ کا مرکز رہا ہے کہ صاحبانِ علوم و فنون کے مستقل طبقات و درجات تشکیل دیئے گئے ہیں۔ یہ کام سب سے پہلے علماء حدیث نے انجام دیا۔ دوسرے علوم کے ماہرین پر متعدد کتب ہمارے پاس موجود ہیں مثلاً ابو اسحٰق شیرازی کی طبقات الفقہاء ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطباء، ابو عبدالرحمٰن سلمی کی طبقات النحویین اور طبقات الصوفیہ۔

اہل تسنن نے فقہاء پر طبقات الفقہاء جیسی کتب لکھی ہیں لیکن انتہائی افسوس ہے کہ (میری معلومات کے مطابق) شیعہ فقہاء پر آج تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ لہٰذا شیعہ فقہاء کی درجہ بندی کے لئے علماء کے حالات پر مشتمل کتب اور کتب اجازات (جو راویانِ حدیث کے طبقات سے متعلق ہیں) سے استفادہ کیا جانا چاہیئے۔

ہم یہاں شیعہ فقہاء کے طبقات کو تفصیل سے بیان نہیں کرنا چاہتے بلکہ بعض برجستہ شخصیات اور نامور فقہاء، جن کی آراء فقہ میں ایک خاص مقام رکھتی ہیں، کے ذکر پر اکتفاء کریں گے اور ان کی تالیفات و تصنیفات ذیل میں شیعہ فقہاء کے طبقات بھی ہمیں معلوم ہو جائیں گے۔

۱۔ ایک دوسرے رسالہ میں

دوسرا سبق

علم فقہ اور فقہاء کی مختصر تاریخ

جیسا کہ سابقہ اسباق میں بیان کیا جا چکا ہے کہ کسی علم سے آگاہی حاصل کرنے کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ یہ ہے کہ اس علم کے صاحبانِ نظر یعنی وہ بزرگ شخصیات جن کے آراء و نظریات اس علم میں خاص مقام رکھتے ہیں اور اس علم میں لکھی جانے والی اہم کتب جو اس علم کے لئے سند ہوتی ہیں، سے آگاہی حاصل کی جائے۔

علمِ فقہ کے بارے میں

علم فقہ پر لکھی جانے والی کتب کی تاریخ گیارہ سو سال پر محیط ہے۔ یعنی فقہ گیارہ سو سال سے بغیر کسی وقفہ کے آج تک علمی مراکز میں پڑھائی جاری ہے، اساتذہ کی طرف سے شاگردوں کی تربیت کا یہ سلسلہ آج تک جاری وساری ہے۔ فقہ میں استاد اور شاگرد کا رشتہ کسی زمانے میں بھی نہیں ٹوٹا۔ البتہ منطق، فلسفہ، ریاضی، طب جیسے دوسرے علوم گو اس سے پہلے کے ہیں، ان پر مختلف کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، جو آج تک موجود ہیں لیکن ان علوم کا رابطہ اس طرح نہیں کہ کسی وقت بھی استاد و شاگرد کا رابطہ منقطع نہ ہوا ہو اور بغیر وقفہ کے آج تک جاری رہا ہو۔ یہ اسلامی دنیا ہی کا کمال ہے کہ قدیم علوم کی زندگی کا تسلسل آج تک

کہ کسی حکم کی بجا آوری کے لئے اس کا بجا لانا ضروری ہو یعنی جب تک یہ کام بجا نہ لایا جائے شارع کے حکم نفسی کی بجا آوری ممکن نہیں۔

مثلاً کوئیں میں گرنے والے شخص کو بچانا بذاتہ واجب ہے (واجب نفسی) لیکن کوئیں سے نکالنے کے لئے کچھ ضروری وسائل فراہم کرنا بذاتہ واجب نہیں بلکہ یہ کسی اور واجب (کنوئیں میں گرے ہوئے شخص کو نکالنے) کی وجہ سے واجب ہیں (واجب مقدمی)۔

اعمالِ حج واجب نفسی ہیں لیکن پاسپورٹ بنوانا، ٹکٹ لینا اور ایسے دیگر مقدماتی کام واجب مقدمی ہیں۔ نماز واجب نفسی ہے لیکن نماز کے لئے وضو یا غسل کرنا واجب مقدمی ہیں (واجب مقدمی کا دوسرا نام واجب غیری ہے)۔

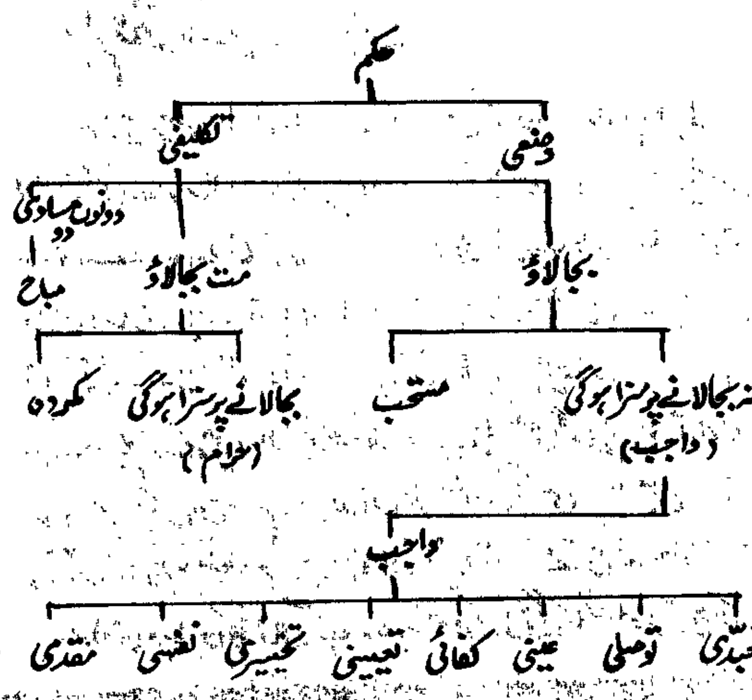

واجب کفائی :- تمام مسلمانوں پر ایک معین کام کا بجالانا واجب ہوتا ہے اگر ان میں سے چند افراد اس کام کو بجالائیں تو دوسرے تمام افراد سے ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے مثلاً اجتماعی ضروریات ، ڈاکٹر بننا ، فوج ، قضاوت ، فتویٰ دینا ، زراعت ، تجارت ، میت کا غسل ، کفن ، دفن ، نماز جنازہ وغیرہ۔

د- تعیینی و تخییری

واجب کی ایک اور انداز سے تقسیم تعیینی و تخییری ہے ۔

واجب تعیینی :- یعنی ایک معین و مشخص کام کو بجالانا ضروری ہے مثلاً نماز پنجگانہ ، روزہ ، حج ، خمس ، زکوٰۃ ، امر بالمعروف ، جہاد۔

واجب تخییری :- مکلف کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ چند کاموں میں سے کسی ایک کو بجالائے مثلاً بعض کفارات۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ماہ رمضان کا روزہ نہ رکھے تو اس پر واجب ہے کہ ایک غلام آزاد کرے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ساٹھ روزے رکھے۔ (ان تینوں امور میں سے کسی ایک کی انجام دہی سے فریضہ ادا ہو جاتا ہے)

ہ- نفسی و مقدمی

واجب کی پھر دو قسمیں ہیں : نفسی اور مقدمی ۔

۱۔ واجب نفسی :- جو بذات خود شارع کی توجہ کا مرکز ہو یعنی شارع مقدس کی مرضی ہے کہ صرف اسی واجب کو ہی بجالایا جائے۔

۲۔ واجب مقدمی :- جو بذاتِ خود شارع کی توجہ کا مرکز نہ ہو بلکہ شارع

پنجگانہ نمازیں یا حرام ہوگا جس کا ترک ضروری اور بجالانا جائز نہیں ہے مثلاً جھوٹ، ظلم، شراب کا پینا یا مستحب ہوگا جس کا بجالانا بہتر ہے لیکن اگر بجا نہ لایا جائے تو کوئی حرج نہیں مثلاً روزمرہ کی نافلہ نمازیں یا مکروہ ہوگا جس کا ترک بہتر ہے لیکن انجام دہی کی صورت میں کوئی حرج نہیں مثلاً مسجد میں دنیاوی گفتگو کرنا۔ یا مباح ہوگا یعنی جس کا فعل اور ترک برابر ہیں۔ روزمرہ کے اکثر امور اسی قسم کے ہیں۔

ب۔ تعبّدی و توصّلی

واجب کی دو قسمیں ہیں: تعبّدی و توصّلی۔

واجب تعبدی:۔ جس کے بجالانے میں قصدِ قربت شرط ہے یعنی اسے کسی مادی یا دنیاوی غرض کے بغیر قربِ خداوندی کے قصد سے بجا لایا جائے تو صحیح ہے ورنہ نہیں ہوگا مثلاً نماز روزہ وغیرہ۔

واجب توصّلی:۔ جن کی بجاآوری میں قصد قربت شرط نہیں یعنی اگر اسے قصد قربت کے بغیر بھی بجالایا جائے تو ذمہ داری ادا ہو جاتی ہے مثلاً والدین کی اطاعت، اجتماعی اور معاشرتی ذمہ داریاں انجام دینا۔

اگر کوئی آدمی کسی سے طے کرتا ہے کہ فلاں کام کی اتنی اجرت دوں گا تو اس کا بجالانا ضروری ہے بلکہ مطلقاً ایفائے عہد بھی اسی قسم سے ہے۔

ج۔ عینی و کفائی

واجب کی ایک اور قسم عینی اور کفائی ہے۔

واجب عینی:۔ جو ہر شخص پر الگ الگ واجب ہوتا ہے مثلاً نماز، روزہ۔

نبوت، وحی، ملائکہ، امامت وغیرہ۔

(ب) اخلاقیات اور تربیتی امور :۔ وہ امور جن کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو روحانی اور باطنی صفات کے لحاظ سے کس طرح ہونا چاہئے اور کس طرح نہیں جیسے تقویٰ، عدالت، سخاوت، شجاعت، صبر، رضا، استقامت وغیرہ۔

(ج) احکام اور عملی مسائل :۔ یعنی وہ امور (اور قوانین) جو اس مقصد کے لئے وضع کئے گئے ہوں کہ انسان انہیں ایک خاص عملی صورت میں انجام دے یا انسان جو عمل بجالاتا ہے وہ کس طرح کا ہونا چاہئے اور کس طرح کا نہیں ہونا چاہئے بالفاظ دیگر شریعت مقدسہ کے مقرر کردہ قوانین

فقہاء اسلام لفظ "فقہ" کو تیسری قسم میں استعمال کرتے ہیں۔ شاید یہ اس وجہ سے ہے کہ صدرِ اسلام سے ہی عملی مسائل اور عبادات لوگوں کی زیادہ توجہ کے مرکز تھے۔ اسی لئے جنہوں نے ان مسائل میں خصوصی مہارت حاصل کی ہو وہ فقہاء کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔

۱۔ حکمِ تکلیفی و حکمِ وضعی

فقہاء قوانین الٰہی کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں: حکمِ تکلیفی و حکمِ وضعی۔

حکمِ تکلیفی :۔ وجوب، حرمت، استحباب، کراہت، اباحت۔ ان پانچ احکام کو "احکام خمسہ تکلیفیہ" کہتے ہیں۔

اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی کام ان پانچ احکام سے خالی نہیں ہے یا وہ واجب ہوگا، جس کا بجالانا ضروری اور ترک جائز نہیں ہے مثلاً

جانے لگا تھا۔ تابعین وہ لوگ تھے جو پیغمبر اسلام ص کی زیارت کا شرف تو حاصل نہیں کر سکے البتہ انہیں اصحاب پیغمبر ص کی زیارت نصیب ہوئی تھی۔

تابعین میں سے سات افراد فقہاء سبعہ کے نام سے مشہور تھے۔

۹۴ ھ میں حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام دنیا سے رخصت ہوئے۔ اسی سال فقہاء سبعہ میں سے سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر اور سعید بن جبیر اور مدینہ کے کچھ دیگر فقہاء دنیا سے رخصت ہوئے۔ چنانچہ اس سال کو "سنة الفقهاء" کا نام دیا گیا۔ اس دور کے بعد سے احکام اسلام سے آگاہی رکھنے والوں علماء کو فقہا کہا جاتا رہا ہے۔

ائمہ علیہم السلام نے اس لفظ کو بکثرت استعمال کیا ہے۔ اپنے کچھ اصحاب کو "تفقہ" کا حکم دیا ہے یا انہیں "فقیہ" کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ ائمہ اطہار علیہم السلام کے نامور شاگرد ائمہ ع کے زمانے ہی میں شیعہ فقہاء کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔

علماء کی اصطلاح میں لفظ "فقہ"

قرآن و سنت میں لفظ "فقہ" اسلامی عقائد اور احکام سے متعلق وسیع اور گہری معلومات رکھنے کے معنی میں ہے۔ ابتدا میں اس کا تعلق کسی خاص عنوان سے نہیں تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ (علماء کی اصطلاح میں) احکام فقہ کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔

وضاحت :۔ اسلامی تعلیمات تین حصوں میں تقسیم ہیں :۔

(۱) معارف و عقائد :۔ یعنی وہ امور جن کا مقصد ایمان و اعتقاد کی شناخت ہے اور یہ عقل و فکر سے مربوط ہیں جیسے توحید، معاد،

لفظ "فقہ" قرآن و حدیث کی روشنی میں

لفظ "فقہ" اور "تفقہ" آیات و احادیث میں بہت زیادہ استعمال ہوا ہے اور جہاں بھی استعمال ہوا ہے گہری سوچ اور سمجھ کے معنی میں ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے :۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝ (سورۃ التوبۃ ۹ - آیت ۱۲۲)

ترجمہ :۔ (مناسب نہیں کہ سب مومنین میدانِ جہاد کی طرف کوچ کریں) ہر گروہ میں سے ایک طائفہ کیوں کوچ نہیں کرتا (اور ایک حصہ باقی نہیں رہتا) تاکہ دین (اور اسلام کے معارف و احکام) سے آگاہی حاصل کریں اور اپنی قوم کی طرف بازگشت کے وقت انہیں ڈرائیں تاکہ وہ (حکمِ خدا کی مخالفت سے) ڈریں اور رک جائیں۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے :۔

من حفظ علیٰ امتی اربعین حدیثا بعثہ اللّٰہ یوم القیامۃ فقیھاً عالماً۔

میری امت میں سے جو بھی چالیس احادیث حفظ کرے گا خداوند عالم قیامت کے دن اسے فقیہ و عالم محشور کرے گا۔

عالم و فاضل صحابہ کرام کو فقیہ کے لفظ سے یاد کیا جاتا تھا یا نہیں ؟ تاریخ اس بارے میں حتمی طور پر کچھ بتانے سے قاصر ہے۔ لیکن یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ تابعین کے زمانے سے ہی علماء و فضلاء کو فقہاء کہا

پہلا سبق

علمِ فقہ

علوم اسلامی میں فقہ نہایت وسیع اور جامع علم ہے۔ علم فقہ کی تاریخ تمام اسلامی علوم سے قدیم ہے۔ ہر دور میں وسیع پیمانے پر اس کی تحصیل و تدریس ہوتی رہی ہے۔ اسلام میں اس قدر فقہاء پیدا ہوئے ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے ان میں سے کچھ تو نابغۂ روزگار تھے۔

فقہ میں بہت زیادہ کتب لکھی گئی ہیں ان میں سے کچھ کتابیں تو غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں۔

لاتعداد ایسے مسائل جن کا انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے تعلق ہے فقہ میں زیر بحث آتے ہیں۔ موجودہ دور کے مختلف قوانین علم فقہ کے مختلف ابواب میں خصوصی عناوین کے تحت زیر بحث آتے ہیں، چاہے ان کا تعلق اجتماعی و معاشرتی زندگی سے ہو یا نجی زندگی سے، مثلاً بنیادی، شہری، فوجداری، عائلی اور سیاسی قوانین۔

ان کے علاوہ کچھ ایسے قوانین بھی ہیں جو موجودہ دور میں فقہی مسائل و قوانین کے زمرے میں نہیں آتے بلکہ ان کے لئے الگ تدریسی ادارے کالجوں یونیورسٹیوں اور مختلف اکیڈمیوں کی صورت میں معرض وجود میں آچکے ہیں لیکن درحقیقت یہ فقہ ہی کے قوانین ہیں (مثلاً اقتصاد یا سیاست سے متعلق قوانین) یہاں پر یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ فقہ میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ انسانی نظام حیات سے متعلق تمام قوانین پر حاوی ہو سکے۔

مسائل علم اصول

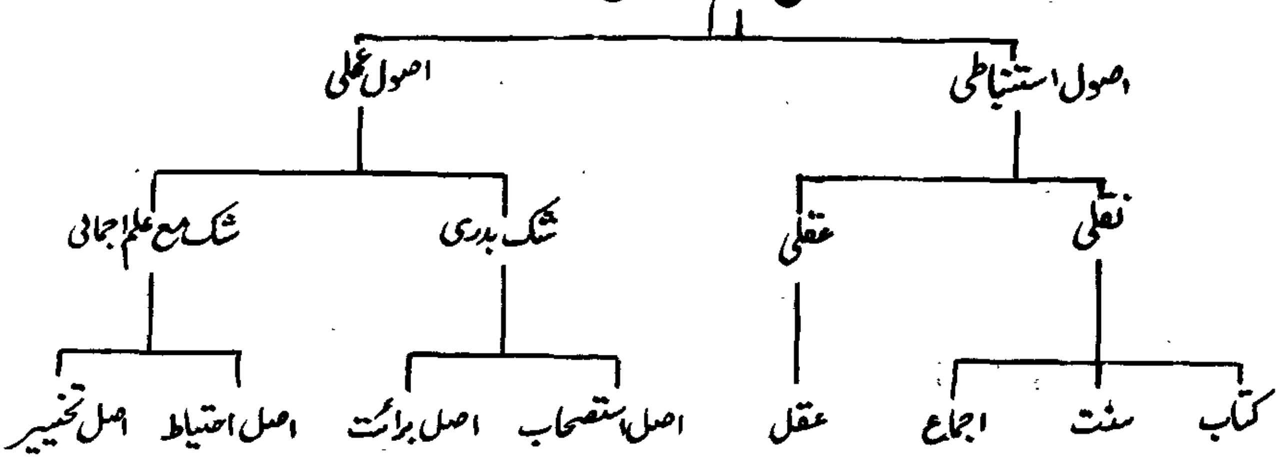

نہیں ؟ (بعض دواؤں کی طرح) اصل برائت جاری کریں گے اور اپنے ذمہ کو بری سمجھیں گے اور اپنے سامنے موجود مائع کو استعمال کریں گے

اگر ہمارے پاس دو شیشیاں ہوں اور یقین ہو کہ ان میں سے کسی ایک میں الکحل ہے یعنی علم اجمالی ہے کہ ان میں الکحل ہے۔ یہاں اصل احتیاط جاری ہوگی اور دونوں سے اجتناب واجب ہوگا۔

فرض کریں کہ ایک شخص کسی جنگل کے ایسے دوراہے پر کھڑا ہو کہ جہاں کھڑا رہنا یا ایک راستے کو اختیار کرنا جانی نقصان کا موجب بنتا ہو اور خطرے سے خالی نہ ہو۔ اور دوسرا راستہ اختیار کرنے سے نجات مل سکتی ہو لیکن یہ نہ جانتا ہو کہ خطرے والا راستہ کونسا ہے۔ اب یہ شخص ان دو محذوروں میں سے کسے اختیار کرے؟ یہاں "اصل تخییر" جاری ہوگی یعنی کوئی بھی راستہ اختیار کر سکتا ہے۔

خلاصہ

کسی شرعی ذمہ داری کے متعلق شک

- شک بدوی
  - حالت سابقہ ہوگی — اصل استصحاب
  - یا نہ — اصل برائت
- شک مع علم اجمالی
  - احتیاط ممکن ہوگی — اصل احتیاط
  - یا نہ — اصل تخییر

موضوعات میں شک کے موقع پر ان اصولوں کو جاری کر سکتے ہیں۔

فرض کریں ایک بچہ جس نے بچپن میں کسی عورت کا چند مرتبہ دودھ پیا تھا تو کیا یہ جوان ہونے کے بعد اس عورت کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے ؟ اسے نہیں معلوم کہ کتنی مقدار میں دودھ پیا تھا۔ کیا اس نے اتنی مقدار میں دودھ پیا تھا کہ اس عورت اور اس کے شوہر کا بیٹا شمار ہو ؟ یا اس سے کم مقدار تھی ؟

یعنی اس نے دودھ پندرہ مرتبہ سیر ہو کر

یا دن رات متواتر

یا اتنا پیا کہ اس کا گوشت اس سے بنا

یا اتنا نہیں پیا

دودھ پینے سے پہلے وہ ان کا بیٹا نہیں تھا۔ اب بیٹا ہونے میں شک ہو گیا کہ کیا شرعی طور پر بیٹا بنا ہے یا نہیں ؟ بیٹا ہونے کا یقین نہیں۔ سابقہ حالت میں وہ بیٹا نہیں تھا لہٰذا اس حالت کو یہاں بھی جاری کریں گے اور رضاعت محقق نہیں ہو گی۔ یہ ہے اصل استصحاب کا مقام۔ وضو کیا تھا اونگھ آگئی۔ شک ہوا کہ سویا ہوں یا نہیں۔ حالتِ سابقہ کا استصحاب کریں گے اور وضو کو باقی سمجھیں گے۔

ہمارے ہاتھ پاک تھے شک ہو گیا کہ اب نجس ہیں یا پاک تو حالت سابقہ کا استصحاب کریں گے اور ہاتھوں کو پاک سمجھیں گے۔

ہمارے ہاتھ نجس تھے، شک ہو گیا کہ پاک کئے ہیں یا نہیں تو حالت سابقہ کا استصحاب کریں گے اور ہاتھوں کو نجس سمجھیں گے۔

ہمارے سامنے کوئی ایک مائع ہے۔ شک ہوا کہ اس میں الکحل ہے یا

کی عبارتوں میں جس چیز کو بیان کیا گیا ہے اس سے مراد وہی اصل ہے جسے فقہاء "اصل استصحاب" کہتے ہیں۔

اصل برائت کی ادلّہ

اصل برائت کے بارے میں متعدد روایات ہیں جن میں سے ایک حدیث رفع ہے۔ یہ پیغمبر اسلامؐ کی مشہور حدیث ہے آپ نے فرمایا:۔

رفع عن امتی تسعۃ مالا یعلمون ومالا یطیقون وما استکرھوا علیہ وما اضطروا الیہ والخطاء والنسیان والطیرۃ والحسد والوسوسۃ فی التفکر فی الخلق۔

میری امت سے نو چیزیں اٹھا لی گئی ہیں، جو نہیں جانتے، جس کی طاقت نہیں رکھتے، جس کی طرف مجبور کر دیئے گئے ہوں، جس کی طرف مجبور ہو گئے ہوں، غلطی، بھول، فال بد، حسد کا احساس۔ جب تک اس کو عملی شکل نہ دیں (یا ان کا محسود ہونا)، خلق کے معاملہ میں شیطانی وسوسہ۔

اس حدیث کے ایک ایک جملے پر علماء اصول نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس روایت کا پہلا جملہ مالا یعلمون ہمارے موضوع سے متعلق ہے کہ فرمایا "میری امت جس حکم کو نہیں جانتی اس کی تکلیف (ذمہ داری) ان سے اٹھا لی گئی ہے اور وہ بری الذمہ ہے۔

ان چار اصولوں کا تعلق فقط مجتہدین ہی سے نہیں جو حکم شرعی کو سمجھتے ہیں بلکہ یہ موضوعات میں بھی جاری ہو سکتے ہیں۔ مقلدین بھی

میں امر دائر ہو یعنی ایک معین کام کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ واجب ہے یا حرام مثلاً زمانۂ غیبت میں معلوم نہیں کہ یہ امر امامؑ کے ساتھ خاص ہے اور ہم پر حرام یا امامؑ سے مختص نہیں بلکہ ہم پر بھی واجب ہے تو یہ "اصل تخییر" کا مقام ہے اور واضح ہے کہ اس مقام پر "احتیاط" پر عمل کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

اگر ہمارا شک "شک بدوی" ہو یعنی اس کے ساتھ علم اجمالی نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو سابقہ حالت معلوم ہوگی یا معلوم نہیں ہوگی۔

اگر سابقہ حالت یقیناً معلوم ہو لیکن اس کے حکم کی بقاء میں شک ہو تو یہ "اصل استصحاب" کا مقام ہے اور اگر سابقہ حالت معلوم نہ ہو تو یہ "اصل برائت" کا مقام ہے۔

ان چار اصولوں کے اجراء کے موقع پر مجتہد کیلئے ضروری ہے کہ ان موارد و مقامات کی تشخیص پر مکمل قدرت رکھتا ہو کیونکہ بعض مقامات کی تشخیص انتہائی دقت نظر اور بہت زیادہ فکر کی محتاج ہوتی ہے ورنہ غلطی کا امکان رہتا ہے۔

اصول عملیہ میں فقط اصل استصحاب ہی "اصلِ شرعی" ہے یعنی اس مقام پر عقل کا کوئی مستقل حکم نہیں بلکہ وہ شارع کے تابع ہے لیکن دیگر تین اصولوں پر جہاں شارع اسلام کی طرف سے دلیل موجود ہے وہاں عقل بھی ان کی تائید کرتی ہے۔

استصحاب کی ادلّہ

کچھ اخبار اور معتبر احادیث میں لا تنقض الیقین الّا بالیقین۔ (یقین کو یقین سے ہی ختم کرو) کے الفاظ اور اس جملے سے پہلے اور بعد

استعمال کا مقام الگ ہے۔ علم اصول انہی موارد و مقامات کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

علماء اصول فرماتے ہیں کہ اگر ہم حکم شرعی کے استنباط سے قاصر ہوں اور اپنی شرعی تکلیف (ذمہ داری) معلوم نہ کرسکیں تو کیا ہمارے اس شک کے ساتھ علم اجمالی بھی ہوگا یا نہیں مثلاً شک ہے کہ امام زمانہؑ کی غیبت میں جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھنا واجب ہے یا نماز ظہر؟

نماز جمعہ کا وجوب بھی مشکوک ہے اور نماز ظہر کا وجوب بھی لیکن مختصر طور پر اتنا ضرور معلوم ہے کہ ان دو میں سے ایک یقیناً واجب ہے (اسے علم اجمالی کہتے ہیں یعنی مختصر طور پر اتنا ضرور معلوم ہے کہ ہم پر صرف ایک نماز واجب ہے)

<u>شک کی ایک اور صورت</u>:۔ کیا امام زمانہؑ کی غیبت میں عید الفطر کی نماز واجب ہے یا نہیں؟ اس شک کو شک بدوی (ابتدائی) کہتے ہیں۔ اس شک میں علم اجمالی نہیں ہے لیکن پہلی صورت کے شک کے ساتھ ساتھ اجمالاً یہ علم بھی ہے کہ ایک نماز ہم پر بہر صورت واجب ہے البتہ یہ معلوم نہیں کہ ان دو میں سے کونسی نماز واجب ہے۔

لہٰذا اگر کسی تکلیف (ذمہ داری) کے متعلق شک ہو تو اس شک کے ساتھ یا تو علم اجمالی ہوگا یا وہ شک بدوی ہوگا۔

اگر شک کے ساتھ علم اجمالی ہو تو احتیاط ممکن ہوگی یا ممکن نہیں ہوگی۔ اگر احتیاط ممکن ہو تو احتیاط کرنا ضروری ہے اور یہ "اصل احتیاط" کا مقام ہے اور اگر احتیاط ممکن نہ ہو بلکہ وجوب اور حرمت

"اصول استنباطیہ" کی اس بحث میں علم اصول حکم واقعی کے صحیح استنباط کا دستور و طریقہ سکھاتا ہے اور اصول عملیہ میں اس قسم کے مواقع پر قواعد و ضوابط سے استفادہ اور ان کے صحیح اجراء کا طریقۂ کار بیان کرتا ہے۔

اصول عملیہ

ابواب فقہ میں استعمال ہونے والے اصول عملیہ چار ہیں :۔

۱۔ اصل برائت۔ ۲۔ اصل احتیاط۔

۳۔ اصل تخییر۔ ۴۔ اصل استصحاب۔

یہ چار اصول جن خاص مقامات پر استعمال ہوتے ہیں ان کا جاننا ضروری ہے۔ ہم پہلے ان کی تعریف بیان کرتے ہیں۔

۱۔ اصل برائت :۔ ہمارا ذمہ بری ہے۔ ہم پر کوئی شرعی تکلیف یعنی ذمہ داری نہیں۔

۲۔ اصل احتیاط :۔ ہم پر احتیاط لازم ہے یعنی اس طرح عمل کریں کہ اگر واقع میں اور حقیقت میں ہم پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے تو گویا ہم نے اسے ادا کر دیا ہے۔

۳۔ اصل تخییر :۔ ہمیں اختیار ہے کہ دو کاموں میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔

۴۔ اصل استصحاب :۔ جو کچھ پہلے تھا وہی اب بھی موجود ہے اس کے خلاف کوئی امر (حکم) صادر نہیں ہوا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اصل برائت، اصل احتیاط، اصل تخییر اور اصل استصحاب کن مواقع پر جاری ہوں گے ؟ ان میں ہر ایک کے

ساتواں سبق

اصول عملیہ

ہم بتا چکے ہیں کہ حکم شرعی کے استنباط کے لئے فقیہ چار دلیلوں کا سہارا لیتا ہے۔ کبھی تو مجتہد کو کسی مسئلہ پر کتاب، سنت، اجماع اور عقل میں سے کوئی دلیل مل جاتی ہے اور کبھی نہیں۔ کبھی دلیل قطعی اور یقینی ہوتی ہے اور کبھی ظنی یعنی ایسی ظنی کہ شارع نے اس کی تائید کی ہو اور وہ حکم واقعی تک بھی پہنچاتی ہو۔ اس صورت میں تو مجتہد کی ذمہ داری واضح ہے وہ یقین یا معتبر ظن کے ذریعے یہ جانتا ہے کہ شارع اسلام کیا چاہتے ہیں۔ لیکن بسا اوقات ادلہ اربعہ میں سے کسی مسئلہ پر مجتہد کو کوئی دلیل نہیں ملتی جس کے ذریعے وہ اللہ کا حکم معلوم کر سکے۔ ایسی صورت میں وہ اپنی تکلیف اور ذمہ داری کے متعلق نہیں جانتا کہ اب وہ کونسی راہ اختیار کرے۔

اس پس منظر میں جب مجتہد حکم واقعی تک دسترس نہ رکھتا ہو تو کیا شارع یا عقل ان دونوں نے مجتہد کی تکلیف یا ذمہ داری معین کی ہے یا نہیں؟ اگر معین ہے تو وہ کیا ہے؟

جواب :- ہاں جب مجتہد حکم واقعی تک دسترس نہ رکھتا ہو تو شارع نے اس کے لئے کچھ قواعد وضوابط معین کئے ہیں اور بعض مقامات پر عقل نے بھی شارع کے ان قواعد وضوابط کی تائید کی ہے یعنی بعض مقامات پر عقل بھی شارع کے حکم کی طرح ایک مستقل حکم نہیں رکھتی البتہ شریعت کے تابع ہے۔

یہاں واجب اور حرام اکٹھے ہو گئے ہیں) گزشتہ چار مسئلوں میں عقل غور و فکر کے بعد انسان کی تکلیف (ذمہ داری) واضح کرتی ہے۔

علم اصول کے علماء نے ان چار مسائل کو چار مختلف بحثوں میں بیان کیا ہے:-

۱- مقدمہ واجب۔

۲- کسی چیز کا امر اس کی ضد کی حرمت پر دلالت کرتا ہے۔
(امر لشیء نہی عن ضدہ کا تقاضا کرتا ہے)

۳- ترتب۔

۴- اجتماع امر و نہی۔

سابقہ درسوں سے معلوم ہوا کہ علم اصول کے مسائل کلی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں: اصول استنباطی اور اصول عملی۔

اصول استنباطی کی دو قسمیں ہیں: نقلی اور عقلی۔

نقلی قسم کتاب، سنت، اجماع کی تمام ابحاث کو شامل ہے اور عقلی قسم فقط عقل کی بحث سے متعلق ہے۔

- مسائل علم اصول
  - اصول استنباطی
    - نقلی
      - کتاب
      - سنت
      - اجماع
    - عقلی
      - عقل
  - اصول عملی
    - (آئندہ صفحات میں ان پر بحث کی جائے گی)

بجاآوری میں مشغول ہوتے۔ اب جبکہ کسی ایک کو بھی نہیں بجالائے تو دو گناہوں کا ارتکاب کیا ہے؟ مثلاً دو آدمی دریا میں ڈوب رہے ہیں ہم ان دونوں کو بچانے کی قدرت نہیں رکھتے لیکن ایک کو بچا سکتے ہیں۔ ان ڈوبنے والوں میں سے ایک متقی، پرہیزگار، مخلوق خدا کا ہمدرد اور خدمت گزار ہے جبکہ دوسرا فاسق و فاجر ہے لیکن اس کی جان بچانا بھی بہر حال واجب ہے۔ فطری طور پر ہم اس شخص کے بچانے کو ترجیح دیں گے جو مومن و متقی ہے اور اس کا وجود خلق خدا کے لئے مفید ہے یعنی اس کا بچانا اہم اور دوسرے کا بچانا غیر اہم ہے۔

اب اگر ہم لاپرواہی کرتے ہوئے کسی ایک کو بھی نہ بچائیں اور نتیجتاً دونوں غرق ہو جائیں تو کیا ہم دونوں افراد کی ہلاکت کے ذمہ دار ہوں گے؟ یا ایک فرد کی ہلاکت کے....؟

مسئلہ ۴: کیا ہو سکتا ہے کہ کوئی کام ایک لحاظ سے حرام اور دوسرے لحاظ سے واجب ہو؟ اس میں بحث نہیں کہ کوئی کام ایک ہی حیثیت سے واجب بھی ہو اور حرام بھی۔ ایسا تو ناممکن ہے بحث اس میں ہے کہ حیثیتیں مختلف ہوں یعنی وجوب کی حیثیت اور ہے اور حرمت کی حیثیت الگ۔ مثلاً مالک کی اجازت کے بغیر کسی کے مال میں تصرف حرام ہے۔ غصبی زمین میں نماز پڑھنا (قطع نظر اس کے کہ شارع نے نماز کی جگہ کا مباح ہونا ضروری قرار دیا ہے) ایک لحاظ سے نماز کا بجالانا واجب ہے اور جس جگہ نماز پڑھ رہا ہے مالک کی اجازت کے بغیر غیر کے مال میں تصرف ہے جو حرام ہے (نماز کا پڑھنا واجب اور عین اس وقت غیر کے مال میں تصرف بھی ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر حرام ہے چنانچہ

ہے کہ کیا حج کا حکم ان مقدمات کو بھی شامل ہے یا نہیں ؟

دوسرے لفظوں میں کیا کسی چیز کے وجوب کا حکم اس چیز کے مقدمات کے وجوب کو بھی مستلزم ہے یا نہیں ؟ کیا کسی چیز کی حرمت سے اس کے مقدمات کا حرام ہونا بھی ضروری ہوتا ہے یا نہیں ؟

مسئلہ ۲ — انسان آنِ واحد میں دو ایسے کاموں کو بجا لانے کی قدرت نہیں رکھتا جو ایک دوسرے کی ضد ہوں مثلاً ایک ہی وقت میں نماز بھی پڑھے اور اسی آن مسجد بھی پاک کرے (بالفرض اگر مسجد نجس ہو) بلکہ ایک کام کی انجام دہی سے اس کی ضد کا ترک کرنا لازمی امر ہے۔ یعنی کیا کسی شے کے حکم سے اس کی ضد سے روکنے کا حکم لازمی طور پر سمجھا جاتا ہے یا نہیں ؟

مسئلہ ۳ — اگر ہم پر دو ایسے امر واجب ہوں کہ جن کا ایک ہی وقت میں بجا لانا ممکن نہ ہو تو ہم مجبوراً ان دو میں سے ایک پر عمل کریں گے اور دوسرے کو چھوڑ دیں گے۔ اگر ان میں سے ایک اہم اور دوسرا غیر اہم ہو تو اہم کا انتخاب ضروری ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہم اور غیر اہم کے اجتماع کی صورت میں اہم پر عمل کرنے سے غیر اہم کی تکلیف (انجام دہی) ساقط ہو جاتی ہے ؟ یا جب تک ہم اس اہم کی بجا آوری میں مشغول ہیں تکلیف ساقط ہے ؟

اس سوال کا نتیجہ وہاں برآمد ہوتا ہے کہ اگر ہم سرے سے نہ تو اہم کو بجالائیں اور نہ غیر اہم کو، بلکہ سو جائیں تو کیا ہم ایک گناہ کے مرتکب ہوں گے ؟ کہ اہم کو ترک کر دیا ہے۔ کیونکہ دوسرا تو خود بخود ساقط ہی تھا۔ یا دو گناہوں کے ؟ کیونکہ غیر اہم تب ہم سے ساقط تھا۔ اگر ہم اہم کی

قیاس اس وجہ سے باطل ہے کہ وہ ظنی اور خیالی ہوتا ہے نہ کہ عقلی وقطعی۔ جب واقعی حکمت اور فلسفہ معلوم ہو جائے تو اسے "تنقیح مناط" کہتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر عقل کسی حکم کی حکمت ومصلحت کو تو نہیں جانتی لیکن یہ جانتی ہو کہ شارع نے اس کے متعلق کوئی حکم دیا ہے تو عقل کہہ سکتی ہے کہ یقینی طور پر یہاں کوئی مصلحت وحکمت تھی جس کی وجہ سے شارع نے حکم دیا ورنہ اگر مصلحت نہ ہوتی تو شارع مقدس ایسا حکم نہ دیتے۔

عقل مصالح واقعی کی طرح حکم شرعی کو بھی کشف کرتی ہے اور حکم شرعی کا کشف کرنا مصلحت کے کشف کرنے کے بعد ہی متصور ہو سکتا ہے لہٰذا جس طرح کل ما حکم به العقل حکم به الشرع کہنا صحیح ہے کل ما حکم به الشرع حکم به العقل کہنا بھی صحیح ہوگا۔

۲۔ لوازم احکام

یعنی عقل سے متعلقہ اصولی مسائل کی دوسری قسم لوازم ومقدمات احکام ہیں یعنی ہر عقلمند اور باشعور حاکم جب بھی کوئی حکم دیتا ہے تو اس حکم کے کچھ لوازمات ومقدمات ہوتے ہیں جن کے بارے میں عقل فیصلہ کرتی ہے کہ فلاں حکم کے لئے فلاں مقدمہ کا بجا لانا ضروری ہے یا نہیں۔ یا فلاں حکم کسی دوسرے حکم کی نفی کو مستلزم ہے یا نہیں۔

مسئلہ ۱۔ مثلاً شارع حج کا حکم دیتے ہیں۔ حج ایسا عمل ہے جس سے پہلے کچھ مقدمات کا بجا لانا لازمی ہے مثلاً پاسپورٹ بنوانا، ٹکٹ لینا، ہیلتھ سرٹیفکیٹ حاصل کرنا، کرنسی کی تبدیلی وغیرہ۔ اب سوال یہ

۲۔ جہاں بھی ایسی مصلحت موجود ہو شارع اسے نظر انداز نہیں کرتا بلکہ اس کے بجالانے کا حکم دیتا ہے۔ (کبریٰ)

۳۔ لہٰذا سابقہ مقام پر شارع کا حکم یہ ہے کہ اسے بجالایا جائے۔ (نتیجہ)

مثلاً شارع کے زمانے میں افیون کا وجود نہیں تھا ادلہ نقلیہ (کتاب و سنت و اجماع) میں افیون سے متعلق ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے لیکن تجربات و مشاہدات سے ثابت ہو چکا ہے کہ افیون کا استعمال نقصان دہ اور ضرر رساں ہے۔ جب ہم نے عقل اور یقین کے ذریعہ معلوم کر لیا کہ تریاک کے استعمال میں ایک مفسدہ ہے جس سے بچنا واجب ہے تو عقل کی رہنمائی میں ہم یہ حکم لگا سکتے ہیں کہ جو چیز انسان کے لئے نقصان دہ ہو وہ اپنے اندر مفسدہ رکھتی ہے اور شرعی لحاظ سے حرام ہے لہٰذا افیون کا استعمال شرعاً حرام ہوگا۔ یا مثلاً ثابت ہو جائے کہ سرطان کا سبب سگریٹ ہے تو مجتہد حکم عقل کے ذریعے فیصلہ کر سکتا ہے کہ شرعی طور پر سگریٹ کا استعمال حرام ہے۔

علماء اصول اور متکلمین عقل و شرع کے اس تعلق کو قاعدہ ملازمت کہتے ہیں: "کل ما حکم به العقل حکم به الشرع۔" عقل جو حکم لگاتی ہے شریعت بھی وہی حکم دیتی ہے لیکن یہ اس صورت میں ہوگا جب عقل قطع اور یقین کے ساتھ اس مصلحت کو حاصل کرے جس کا بجالانا ضروری ہے اور مفسدہ کو معلوم کرے جس سے بچنا ضروری ہے۔

بالفاظ دیگر عقل بغیر شک و شبہ کے کسی حکم کے ملاک اور فلسفہ سے قطعی طور پر آگاہ ہو تو حکم لگا سکتی ہے ورنہ صرف ظن، گمان، اندازہ، اور تخمینہ وغیرہ کے ذریعے عقل حکم لگانے سے قاصر ہے۔

وضاحت :۔ اسلامی مسلمات میں سے ایک (خصوصاً شیعہ کی نظر میں) مسلمہ اصول یہ ہے کہ شریعت کے احکام مصلحت اور مفسدۂ واقعیہ کے تابع ہیں یعنی شریعت کے ہر امر کو ایک مصلحت کی وجہ سے بجا لانا ضروری ہے، اور ہر نہی پر عمل اس لئے ضروری ہے کہ اس میں مفسدہ ہے۔ خداوند متعال نے انسان کو سعادت و کمال واقعی تک پہنچانے کے لئے کچھ کاموں سے روکا ہے۔ اگر مصالح اور مفاسد نہ ہوتے تو شریعت کی طرف سے امر و نہی کی ضرورت نہ تھی۔ اگر عقل بھی ان مصالح اور مفاسد سے آگاہ ہو جائے تو وہی حکم دے گی جو شریعت نے بیان کیا ہے۔

علماءِ اصول اور علماءِ علمِ کلام کا یہی نظریہ ہے کہ چونکہ احکامِ شریعت مصالح و مفاسد کے تابع ہیں اور ان کا دارومدار اور فلسفہ، مصلحت اور حکمت ہے چاہے اس مصلحت یا مفسدہ کا تعلق جسم سے ہو یا روح سے، فرد سے ہو یا اجتماع سے یا دنیاوی زندگی سے ہو یا اخروی زندگی سے۔ لہٰذا جہاں بھی کوئی حکمت ہوگی اس کے مناسب حکمِ شرعی موجود ہوگا اور جہاں کوئی حکمت نہیں ہوگی شریعت کا حکم بھی نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر ہمیں قرآن و سنت اور اجماع کے ذریعے کسی مسئلے پر کوئی حکم نہیں ملتا تو عقل یقینی طور پر دیگر تمام حکمتوں کی ردیف میں کسی خاص حکمت کو معلوم کر کے شارع کا حکم کشف کر سکتی ہے۔

عقل سے حکمِ شرعی معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عقل ایسے مقامات پر منطق کے صغریٰ اور کبریٰ کے ذریعے حکمِ شرعی حاصل کرتی ہے۔ مثلاً:

۱۔ فلاں مقام پر فلاں مصلحت موجود ہے جس کا بجا لانا ضروری ہے (صغریٰ)

جب اس ذریعہ (سند) کی صحت اور اس کے قابلِ اعتماد ہونے کا یقین ہو جس سے اجماع نقل ہوا ہے۔ بنابریں خبر واحد سے منقول اجماع حجت نہیں ہوگا اگرچہ خبر واحد سے منقول سنت حجت ہوتی ہے۔

عقل

ادلہ اربعہ میں سے چوتھی دلیل عقل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بسا اوقات ہم حکمِ شرعی کو عقلی استدلال یا عقلی دلیل کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں کہ فلاں مقام پر وجوب یا حرمت کا حکم ہے یا فلاں حکم یوں ہے یا فلاں حکم ایسا نہیں ہے۔

عقل کی حجیت

عقل کی حجیت خود عقل سے ہی ثابت ہے (آفتاب آمد دلیلِ آفتاب، سورج اپنے وجود پر خود دلیل ہے) اور شریعت نے بھی حکمِ عقل کی تائید کی ہے۔

بنیادی طور پر شریعت مقدسہ کی حقانیت اور اصولِ دین کو ہم عقل سے ہی ثابت کرتے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ شریعت عقل کو حجت اور دلیل نہ سمجھے۔ علماء اصول "حجیت قطع" کے عنوان سے عقل کی حجیت پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔

اخباری حضرات عقل کی حجیت کے منکر ہیں لیکن ان کے انکار کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

عقل سے متعلقہ اصولی مسائل دو قسم کے ہیں:-

۱- احکام کا فلسفہ و حکمت۔ ۲- مقدمات و لوازم احکام۔

اس قسم کے اجماع کا ذکر نہ تو فقہ میں ہے اور نہ ہی علم کلام میں۔ جس اجماع کا تذکرہ کتابوں میں ہے اس سے اجماعِ امت نہیں بلکہ خاص قسم کے لوگوں کا اجماع مراد ہے جو زیادہ سے زیادہ "اہلِ حل و عقد" کے اجماع کو شامل ہے اور پھر علماء امّت سے تمام امت کے علماء کا اتفاق بھی مراد نہیں بلکہ امت کے ایک خاص فرقہ کے علماء کا اجماع مراد ہے۔

اہلسنت کی طرح شیعہ اجماع کو "اصل" نہیں سمجھتے بلکہ اجماع کی حجیت کے اس حد تک قائل ہیں کہ وہ سنت کا کاشف ہے۔ اگر شیعوں کے نزدیک کسی مسئلے پر کتاب و سنت میں سے کوئی دلیل نہ ہو لیکن اتنا معلوم ہو کہ پیغمبرؐ یا ائمہؑ یا کثیر تعداد میں صحابہ کرام نے اس طرح عمل کیا ہے تو اس سے ہم معلوم کر لیں گے کہ یہاں کوئی قانون اور حکم شرعی تھا جو ہم تک نہیں پہنچا۔

اجماع کی تقسیم

اجماع سے چاہے اہلسنت کا اجماع مراد ہو یا اہلِ تشیع کا، اس کی دو اقسام ہیں: محصل اور منقول

۱۔ **اجماع محصل**:۔ جسے خود مجتہد نے صحابہ رسولؐ یا ائمہؑ یا ان افراد کی تاریخ، آراء اور عقائد و نظریات میں تحقیق و جستجو کے بعد حاصل کیا ہو جو عصرِ ائمہ کے نزدیک تھے۔

۲۔ **اجماع منقول**:۔ جسے خود مجتہد نے حاصل نہ کیا ہو بلکہ دوسروں نے نقل کیا ہو کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

اجماع محصّل یقیناً حجت ہے لیکن اجماع منقول اس وقت حجت ہوگا

چھٹا سبق

اجماع و عقل

منابع فقہ میں سے ایک منبع اور دلیل اجماع ہے۔ علمِ اصول میں اجماع، اس پر قائم ادلّہ اور اس سے استفادہ کے طریقِ کار پر گفتگو ہوتی ہے۔ اجماع کی ایک بحث یہ ہے کہ اجماع کی حجیت پر کونسی دلیل قائم ہے۔

اہلِ تسنن کا دعویٰ ہے کہ پیغمبر اسلام ؐ نے فرمایا: "لا تجتمع امّتی علیٰ خطاء" میری امت خطا پر کبھی جمع نہیں ہوگی۔ یعنی پوری امت باطل پر کبھی اتفاق نہیں کرے گی۔ اب اگر پوری امت کسی مسئلے پر اتفاق کر لیتی ہے تو وہ درست اور صحیح ہوگا۔ اس حدیث کی رو سے پوری امت پیغمبر ؐ کی طرح خطا سے محفوظ ہے۔ پوری امت کا قول گویا پیغمبر ؐ کا قول ہے۔ پوری امت جب کسی مسئلے پر جمع ہو جائے گی تو خطا سے مبرّا ہوگی۔

اہلِ تسنن کی نظر میں پوری امت کا کسی مسئلے پر اتفاق پیغمبر اسلام ؐ کے اس حکم کی طرح ہے جو وحیِ الٰہی کے ذریعے حضور ؐ پر نازل ہوا ہو۔ لیکن اہلِ تشیع کے نزدیک اوّلاً تو اس قسم کی حدیث مسلّم ہی نہیں۔ ثانیاً درست ہے کہ امت کا ضلالت و گمراہی پر جمع ہونا محال ہے لیکن یہ اس وجہ سے ہے کہ ایک فردِ معصوم اس امت میں شامل ہے نہ اس لحاظ سے کہ غیر معصوم افراد کا اجتماع معصوم ہو جاتا ہے۔

ثالثاً عام طور پر شاید پوری امت کا غلطی پر جمع ہونا ناممکن ہو لیکن

ناسخ و منسوخ کی بحث

بسا اوقات قرآن و سنّت میں ایک عارضی قانون ہوتا ہے۔ مدّت گزرنے کے بعد ایک اور قانون آتا ہے جو پہلے قانون کو لغو اور ختم کر دیتا ہے۔

۱۔ پہلے قرآن کریم نے شادی شدہ عورت کے متعلق حکم دیا کہ اگر وہ زنا کرے تو اسے گھر میں نظر بند کر دیا جائے یہاں تک کہ اسی میں مر جائے یا خدا اس کے لئے کوئی اور راستہ بیان فرمائے۔

اس کے بعد قرآن کریم نے ایک اور دستور دیا کہ اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں تو انہیں سنگسار کیا جائے۔

۲۔ پہلے قانون تھا کہ ماہ مبارک رمضان میں مرد حتیٰ کہ رات کو بھی اپنی بیوی کے قریب نہیں جا سکتا۔ اس کے بعد یہ قانون ختم ہو گیا اور مرد کو ماہ مبارک کی رات میں اپنی بیوی سے ہمبستری کرنے کی اجازت دیدی گئی۔

پہلے حکم کو منسوخ اور دوسرے کو ناسخ کہتے ہیں۔

فقیہ کے لئے ضروری ہے کہ ناسخ و منسوخ کو ایک دوسرے سے جدا کرے۔

نسخ کے بہت سے مسائل ہیں جن پر علماء علم اصول بحث کرتے ہیں۔

کہتے ہیں۔ لیکن منفی معانی لفظوں میں نہیں پائے جاتے نہ ہی ان کا تعلق بولنے سے ہوتا ہے بلکہ یہ جملے سے سمجھے جاتے ہیں ایسے معانی کو مفہوم کہتے ہیں۔

خبر واحد کی حجیت میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ علماء اصول آیۂ شریفہ اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا (سورۃ الحجرات آیت ۶) سے خبر واحد کی حجیت کو اس صورت میں ثابت کرتے ہیں جب راوی عادل ہوں۔

بالفاظِ دیگر آیت کا منطوق یہ ہے کہ فاسق کی خبر پر عمل نہ کرو، لیکن آیت کا مفہوم یہ ہے کہ عادل کی خبر پر عمل کر سکتے ہیں۔

مجمل و مبین کی بحث

مجمل اور مبین کی بحث زیادہ اہمیت کی حامل نہیں ہے۔

کبھی شارع مقدس کی مبارک زبان سے نکلے ہوئے جملوں کے مفہوم میں ابہام پایا جاتا ہے اور مطلب واضح نہیں ہوتا مثلاً "مفہوم غناء"۔ ایسی صورت میں کسی دوسری دلیل کے ذریعے اس ابہام کو دور کیا جاتا ہے لہٰذا اس پہلی "ابہام والی" دلیل کو "مجمل" اور دوسری "واضح کرنے والی" دلیل کو "مبین" کہا جائے گا۔

عام طور پر اہلِ ادب کے کلام میں ایسے جملے پاتے ہیں جن کا معنی واضح نہیں ہوتا۔ چنانچہ انہیں قرائن اور واضح علامات کے ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

گزشتہ مثال جس میں پیغمبر اسلامؐ کو حکم ہے کہ زکوٰۃ وصول کرتے وقت مسلمانوں کے لیے دعا کریں۔ آیت میں کوئی قید نہیں لگی ہوئی کہ دعا کس طرح کریں، بلند آواز سے دعا کریں یا آہستہ، اجتماع میں دعا کریں یا تنہائی میں، پس کیفیت آیت مطلق ہے۔ اب اگر قرآن یا معتبر حدیث میں کوئی دلیل نہ ہو جو مندرجہ بالا قیود کو بیان کرے تو ہم "وَصَلِّ عَلَيْهِمْ" کے اطلاق پر عمل کریں گے یعنی ہمیں اختیار ہے کہ جس صورت میں چاہیں دعا کریں اور اگر کوئی معتبر حدیث ہو جو بتائے کہ دعا بلند آواز میں ہونی چاہیے یا جب مسجد میں لوگ جمع ہوں تو اس وقت دعا کی جائے تو اب یہ آیت مطلق نہیں رہے گی بلکہ مقید ہو جائے گی اور اس دوسری دلیل کو پہلے حکم کا "مُقَیِّد" سمجھیں گے۔ اس عمل کو "تقیید" کہتے ہیں۔

مفاہیم کی بحث

مفہوم کا لفظ اصطلاح میں منطوق کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص کہے کہ اگر آپ میرے گھر تک میرے ہمراہ آئیں تو آپ کو فلاں کتاب دوں گا۔ یہ جملہ حقیقت میں دو جملوں کا قائم مقام ہے:

۱۔ اگر آپ میرے گھر تک میرے ہمراہ آئیں تو آپ کو فلاں کتاب دوں گا۔

۲۔ اگر آپ میرے ہمراہ میرے گھر تک نہ آئے تو کتاب نہیں دوں گا۔

یہاں دو قسم کے معانی موجود ہیں۔ مثبت اور منفی۔

مثبت یعنی "ہمراہ آنا اور کتاب کا دینا" یہ جملے کے ان ظاہری الفاظ اور متن سے سمجھا جا رہا ہے جو بولے گئے ہیں اس لیے اسے "منطوق"

یہ ہے کہ پہلے ایک عام حکم بیان کرتے ہیں پھر ایک خاص حکم کے ذریعے اس عام سے کچھ افراد کو خارج کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید بھی عام انسانی محاورات کی بنیاد پر گفتگو کرتا ہے۔

دوسری طرف خود قرآنِ مجید نے پیغمبرِ اسلام کی احادیث کو معتبر قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (سورۃ الحشر ۵۹ - آیت ۷)

رسول اکرمؐ جو تمہیں عطا کریں، لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ۔

ایسے مقامات پر خاص کو عام سے مستثنیٰ تصوّر کریں گے اور کہیں گے کہ عام کو خاص سے تخصیص دی گئی ہے یعنی "خاص" عام کا مخصّص ہے۔

مطلق ومقید کی بحث

مطلق و مقید بھی عام و خاص کی مثل ہیں، عام و خاص افراد میں اور مطلق و مقید احوال وصفات میں استعمال ہوتے ہیں۔ عام و خاص ایسے کلیات میں استعمال ہوتے ہیں جن کے افراد متعدد اور لبسا اوقات بے انتہا ہوتے ہیں۔

ایسے عام کے کچھ افراد کو خاص دلیل کے ذریعے اس عام سے نکالا جاتا ہے لیکن مطلق و مقید کا تعلق تکلیف (وظیفہ وعمل) کی طبیعت اور ماہیت سے ہوتا ہے اور مکلف کا فرض ہوتا ہے کہ اسے بجا لائے اگر وظیفہ وعمل (تکلیف) کے اس متعلق کے ساتھ کوئی خصوصی قید نہ ہو اسے مطلق کہیں گے اور اگر کوئی قید ملحوظ ہو تو اسے مقید کہیں گے۔

کے تمام افراد کو شامل ہوتاہے۔ دوسری جگہ ایک اور قانون بیان ہوتاہے جو پہلے قانون کے موضوع کے کچھ افراد کو شامل ہوتاہے اور اس کلی اور عام قانون کے خلاف ہوتاہے۔

اب اس مقام پر کیا کیا جائے گا ؟

کیا قانون کی ان دو اصلوں کو ہم آپس میں معارض سمجھیں گے یا ان میں ایک اصل دوسرے کی نسبت عام اور دوسری پہلے کی نسبت خاص ہوگی اور اس خاص کو عام سے مستثنیٰ کیا جائے گا اور ان دو اصلوں کو ایک دوسرے کا مخالف و معارض سمجھیں گے ؟

قرآن مجید میں ہے : (البقرۃ آیت ۲۲۸)

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ

یعنی مطلقہ عورتوں پر لازم ہے کہ طلاق کے بعد تین ماہانہ عادات تک انتظار کریں (اور شادی نہ کریں یعنی عدت میں بیٹھیں) البتہ عدّت کے بعد شادی کر سکتی ہیں۔ اب فرض کریں ایک معتبر حدیث ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور رخصتی سے پہلے عورت کو طلاق دیدے تو اس عورت کے لئے عدت لازم نہیں ہے۔

یہاں کونسا حکم جاری ہوگا ؟ کیا حدیث کو قرآن کا معارض سمجھیں گے اور نتیجتاً فرمانِ معصومؑ کے مطابق حدیث کو دیوار پر دے ماریں گے ؟ یا نہیں۔ بلکہ یہ حدیث حقیقت میں اس آیت کی مفسّر ہے اور آیت کے کچھ مصادیق کو آیت میں دیئے گئے قانون سے خارج کر رہی ہے اور کسی صورت میں بھی آیت کے معارض نہیں ہے۔

بہر حال دوسرا نظریہ درست ہے کیونکہ عام لوگوں کے خطاب کا طریقہ

تفصیلی کتابوں میں جان لیں گے۔

نواہی کی بحث

نہی کا معنی روکنا ہے۔ نہی امر کے مقابلے میں ہے جیسے اردو میں "شراب نہ پیو" نہی ہے۔ عربی میں "لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ" نہی ہے۔ نہی کے باب میں بھی اس قسم کے سوالات پیش آتے ہیں کہ کیا نہی حرمت پر دلالت کرتی ہے؟ یا کراہت پر؟ یا ان میں سے کسی پر بھی نہیں؟ بلکہ حرمت وکراہت کے علاوہ ایک ایسے عام معنی پر دلالت کرتی ہے جو ان دونوں کو شامل ہو؟ یعنی کیا نہی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ چیز خدا کی فقط ناپسندیدہ ہے یا اس بات پر کہ اس حد تک یہ چیز خدا کو ناپسند ہے کہ اگر کوئی اس کا مرتکب ہوا تو وہ مستحق عذاب قرار پائے گا یا ناپسندیدگی فقط کراہت کی حد تک ہے کہ اس کا مرتکب فقط مذمت وملامت کا مستحق ہوگا عذاب کا نہیں؟

یا ناپسندیدگی نہی کا مورد ہی نہیں ہے؟

اسی طرح کیا نہی ابدیت "ہمیشگی" پر دلالت کرتی ہے یعنی کبھی بھی اس کام کا ارتکاب نہ کیا جائے یا فقط ایک خاص مدت تک اس کام پر عمل نہ کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ علم اصول ان تمام سوالات کا جواب دیتا ہے۔

عام وخاص کی بحث

ہم شہری ومعاشرتی اور فوجداری قوانین میں دیکھتے ہیں کہ ایک قانون کو کلی اور عام صورت میں بیان کیا جاتا ہے جو اپنے موضوع

یہاں بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا جواب دینا فقیہ پر لازم ہے مثلاً کیا امر وجوب پر دلالت کرتا ہے؟ یا استحباب پر؟ یا کسی پر بھی نہیں؟ کیا امر فوریت (جلدی بجالانے) پر دلالت کرتا ہے یا تراخی (دیر سے بجالانے) پر؟ کیا امر مرۃ (ایک مرتبہ بجالانا) پر دلالت کرتا ہے یا تکرار پر۔ مثلاً آیت کریمہ

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (سورۃ توبہ ۹۔ آیت ۱۰۳)

(ترجمہ) تم مسلمانوں کے مال سے زکوٰۃ لو اور اس طرح انہیں پاک و پاکیزہ کرو، ان کیلئے دعا کرو، آپ کی دعا ان کیلئے تسکین کا باعث ہے۔

آیت شریفہ میں لفظ "صَلِّ" دعا کرنے یا درود بھیجنے کے معنی میں ہے۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دعا کا حکم جو صیغۂ امر کے ساتھ دیا گیا ہے واجب حکم ہے یا نہیں؟

۱۔ دوسرے لفظوں میں کیا یہاں امر وجوب پر دلالت کرتا ہے یا نہیں؟

۲۔ ثانیاً کیا اس حکم کی بجاآوری فوراً ضروری ہے یا نہیں؛ یعنی کیا واجب ہے کہ مال وصول کرنے کے فوراً بعد دعا کریں یا دیر سے بھی دعا کر سکتے ہیں۔

۳۔ ثالثاً کیا ایک ہی بار دعا کر لینا کافی ہے یا اس عمل کو مکرر بجا لانا ضروری ہے۔ علماء اصول ان تمام ابحاث پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہیں؟

ہم یہاں زیادہ بحث نہیں کر سکتے۔ جو لوگ فقہ و اصول کو خصوصی مضمون کے طور پر انتخاب کرنا چاہتے ہیں وہ فقہ و اصول کی

پانچواں سبق

قرآن وسنّت کی مشترکہ ابحاث

۱۔ اوامر۔

۲۔ نواہی۔

۳۔ عام خاص۔

۴۔ مطلق ومقید۔

۵۔ مفاہیم۔

۶۔ مجمل مبین۔

۷۔ ناسخ ومنسوخ۔

مندرجہ بالا اصطلاحات سے آگاہی کے لئے ہم ہر ایک کی مختصر وضاحت کرتے ہیں۔

اوامر کی بحث

اوامر امر کی جمع ہے۔ امر کا معنی حکم ہے عربی اور ہر زبان میں استعمال ہونے والے افعال میں سے ایک فعل " امر "ہے۔ مثلاً اِعْلَمْ عربی زبان میں فعل امر ہے۔ فارسی زبان میں " بدان" اور اردو میں جس کے معنی " جان لو" ہے۔

کتاب وسنت کی بہت سی تعبیرات فعل امر کی صورت میں آئی ہیں

اگر ان دو روایات میں سے کوئی ایک کسی لحاظ سے ترجیح رکھتی ہو تو اسے قابلِ عمل سمجھیں گے اور دوسری روایت چھوڑ دیں گے۔ اور اگر دونوں ہر لحاظ سے مساوی ہوں اور کسی کو ترجیح حاصل نہ ہو تو کسی ایک پر عمل کرنا صحیح ہو گا۔

تعارض اخبار کے سلسلے میں خود احادیث و روایات میں رہنمائی موجود ہے ایسی روایات "اخبار علاجیہ" کہلاتی ہیں۔ علماء علم اصول اخبار و روایات کے تعارض کے وقت انہی اخبار علاجیہ کو مدرک قرار دے کر اپنا نظریہ بیان کرتے ہیں۔

اصولی جس باب میں یہ بحث بیان کرتے ہیں اسے تعادل و تراجیح کا باب کہتے ہیں۔ تعادل یعنی "برابری" تراجیح، ترجیح کی جمع ہے یعنی برتری۔ اس باب میں متضاد روایات کے باہم مساوی ہونے یا نہ ہونے سے متعلق گفتگو کی جاتی ہے۔

سابقہ ابحاث سے یہ معلوم ہوا کہ ظواہر کتاب کی حجیت کا مسئلہ قرآن مجید سے اور خبر واحد کی حجیت اور تعارض اخبار کا مسئلہ سنت سے متعلق ہے۔

اب ہم وہ مسائل بیان کریں گے جو کتاب و سنت دونوں کے درمیان مشترک ہیں۔

روایت میں ایک ہی دفعہ پڑھنا کافی سمجھا گیا ہے۔

یا مثلاً انسان کا پاخانہ بیچنا جائز ہے یا نہیں ؟ اس میں مختلف روایات ہیں۔ اس قسم کی روایات کا کیا حل ہوگا۔ کیا یہاں "اِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا۔" والے قاعدے پر عمل کرتے ہوئے دونوں مخالف روایات کو چھوڑ دیں گے اور کسی پر بھی عمل نہیں کریں گے ! ؟

یعنی جب دو روایات باہم ایک دوسرے سے متعارض ہوں تو دونوں ساقط ہو جائیں گی اور وہ مسئلہ جس کے متعلق روایات آئی تھیں اب ایسے ہوگا کہ گویا اس سے متعلق کوئی روایت آئی ہی نہیں۔ یا ہمیں اختیار ہے کہ ان روایات میں سے جس پر چاہیں عمل کریں اور دوسری کو چھوڑ دیں۔ یا اگر احتیاط پر عمل کرنا ممکن ہو تو دونوں روایات پر عمل کریں گے (مثلاً تسبیحاتِ اربعہ والی روایات میں احتیاط پر عمل اس طرح ہوگا کہ آدمی تین مرتبہ تسبیحاتِ اربعہ پڑھے) یا انسان کا پاخانہ بیچنے سے متعلقہ روایات میں احتیاط یہ ہوگی کہ اسے نہ بیچا جائے یا احتیاط کے علاوہ کوئی اور راہ اختیار کی جائے گی ؟

علماء اصول قائل ہیں کہ اگر متضاد روایات میں کوئی راہِ حل ممکن ہو تو وہ دونوں روایات چھوڑ دینے سے بہتر ہے کہ : "الجمع مهما امكن من الطرح " دونوں روایات کو چھوڑ دینے سے جس قدر ممکن ہو ان کے درمیان جمع (راہ حل) بہتر ہے۔

اگر یہ ممکن نہ ہو تو ان روایات کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا جائے گا کہ سند، شہرتِ علماء یا مخالف تقیہ وغیرہ کے اعتبار سے ان روایات میں سے کسی کو ترجیح اور فوقیت حاصل ہے یا نہیں ؟

خبرِ واحد کی تعریف

خبرِ واحد وہ روایت ہے جو پیغمبرِ اسلام یا امامؑ سے کسی ایک راوی نے نقل کی ہو یا اتنے افراد نے نقل کی ہو کہ جو تواتر کی حد تک نہ پہنچے ہوں یعنی اس معیار پر نہ ہو جو یقین کا فائدہ دیتا ہے۔

کیا ایسی خبر استنباط کی دلیل اور مدرک بن سکتی ہے یا نہیں؟

اصولی معتقد ہیں کہ اگر راوی عادل ہوں یا کم از کم ان کی صداقت قابلِ اعتماد و اطمینان ہو تو ایسی روایت استنباط کی دلیل بن سکتی ہے۔

اصولیوں کے دعوے کی ایک دلیل آیت "نبا" ہے جس میں ارشاد ہے۔

اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاءٍ فَتَبَیَّنُوْا۔ اگر کوئی فاسق تمہیں خبر دے تو اس میں تحقیق کرو اور بغیر تحقیق اس پر عمل نہ کرو۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی عادل اور با اعتماد شخص تمہیں خبر دے تو اس میں تحقیق ضروری نہیں۔ اس پر بغیر تحقیق بھی عمل کر سکتے ہو۔ اس آیت کا مفہوم خبرِ واحد کی حجیت پر دلیل ہے۔

تعادل و تراجیح

اخبار و روایات کے تعارض کا مسئلہ اکثر مقامات پر پیش آتا ہے کہ کسی چیز سے متعلق اخبار و روایات ایک دوسرے کے مخالف آتی ہیں۔ اور آپس میں ضد ہیں۔ مثلاً کیا واجب نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں تسبیحات اربعہ کو تین مرتبہ پڑھنا ضروری ہے یا ایک ہی مرتبہ کافی ہے؟ کچھ روایات میں تسبیحاتِ اربعہ کو تین مرتبہ پڑھنا ضروری ہے اور ایک

اس کے علاوہ متواتر اخبار میں بھی آیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ نے اپنی طرف منسوب جعلی احادیث پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور جعلی احادیث کا راستہ روکنے کے لئے مسئلہ "عرضہ بر قرآن" (احادیث کو قرآن پر پیش کرنا) کا حکم دیا۔ اور دستور دیا کہ "ہماری طرف منسوب روایات کو قرآن سے پرکھو اگر قرآن کے مخالف ہوں تو وہ ہماری احادیث نہیں ہیں (یعنی ہماری طرف ان کی غلط نسبت دی گئی ہے) انہیں دیوار پر دے مارو۔"

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اخباریوں کے دعویٰ کے برعکس احادیث قرآن کے لئے معیار و کسوٹی نہیں بلکہ قرآن اخبار و احادیث کے لئے میزان و معیار ہے۔

ظواہر سنّت

ظواہر سنت کی حجیت میں کسی نے اختلاف نہیں کیا لیکن سنت سے مراد وہ اخبار و احادیث ہیں جو قول، فعل یا تائید پیغمبرؐ و امامؑ کو بیان کریں۔

علماء علم اصول سنت کے باب میں دو اہم مطالب پر بحث کرتے ہیں:۔

۱۔ خبر واحد کی حجیّت۔

۲۔ اخبار و آیات کا باہمی تعارض۔

چنانچہ علم اصول میں دو اہم باب کھلے ہیں:

خبرِ واحد اور

تعادل و تراجیح۔

معتقد ہیں کہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ کوئی شخص بھی قرآن سے بلا واسطہ استفادہ اور آیات قرآنیہ سے استنباط کا حق نہیں رکھتا مسلمانوں کو ہمیشہ اخبار و روایات کے ذریعے قرآن سے استفادہ کرنا چاہئے۔

اخباری اس مطلب کو ثابت کرنے کے لئے ان روایات پر تکیہ کرتے ہیں جن میں "تفسیر بالرائے" کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت کا معنی ان احادیث کے ذریعے کرنا چاہئے جو اس آیت کے ذیل میں آئی ہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی آیت کا ظاہری معنی ایک مطلب پر دلالت کرتا ہو لیکن حدیث اس ظاہری معنی کے خلاف ہو لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم حدیث کے تقاضے کے مطابق عمل کریں کیونکہ ہم آیت کا حقیقی معنی نہیں جانتے۔

اس بناء پر اخبار و روایات قرآنی آیات کو سمجھنے کا مقیاس (معیار) ہیں لیکن اصولی ثابت کرتے ہیں کہ مسلمان قرآن سے بلا واسطہ بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ "تفسیر بالرائے" (جس سے روکا گیا ہے) کا یہ معنی نہیں کہ لوگ اپنی سمجھ و فکر کے ذریعے قرآن کو سمجھنے کا حق نہیں رکھتے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر اپنی خواہشات اور اغراض کے مطابق کرنا جائز نہیں ہے۔

علماءِ اصول کا نظریہ ہے کہ قرآن خود صراحتاً حکم دیتا ہے کہ لوگ اس میں تدبّر (غور و فکر) کریں اور قرآن مجید کے بلند ترین مطالب کے حصول کے لئے اپنی فکر کو جولانی دیں۔ لہٰذا لوگ حق رکھتے ہیں کہ اپنی فکر و توانائی کے ذریعے قرآن کے مطالب بلا واسطہ سمجھیں۔

بنابریں علم اصول میں دو قسم کے قوانین پائے جاتے ہیں :۔

۱۔ وہ قوانین جن کے ذریعے حقیقی شرعی احکام کو ان کے منابع و مدارک سے درست استنباط کیا جاتا ہے۔

۲۔ وہ قوانین جن کے ذریعے ادلہ اربعہ سے احکام اخذ نہ کرسکنے کی صورت میں حکم ظاہری کے حصول کا طریقہ کار بیان کیا جاتا ہے۔

ہم پہلے حصے کو "اصول استنباطیہ" اور دوسرے حصے کو "اصول عملیہ" کا نام دیں گے کیونکہ "اصول استنباطیہ" کتاب، سنت، اجماع یا عقل سے شرعی حکم استنباط کرنے سے متعلق ہیں۔ "اصول استنباطیہ" کے مسائل چار بحثوں میں بیان ہوں گے، اپنی بحث کا آغاز کتاب خدا سے کرتے ہیں۔

حجیت ظواہر کتاب

خصوصی طور پر قرآن مجید سے متعلقہ ابحاث علم اصول میں زیادہ نہیں بلکہ ان میں سے بھی اکثر و بیشتر کتاب و سنت دونوں میں مشترک ہیں۔ قرآن مجید سے مختص ایک ہی بحث "حجیت ظواہر کتاب" ہے۔ کہ آیا حدیث کی تفسیر کے بغیر بھی ظاہر قرآن حجت ہے؟ اور کیا فقیہ ظاہر قرآن کو دلیل و مدرک بنا سکتا ہے۔

ایسے مباحث پر اصولیوں کی تحقیق عجیب نظر آتی ہے بھلا یہ بھی کوئی شک کی بات ہے کہ ایک فقیہ قرآنی آیات کے ظہور سے شرعی مسائل اخذ کرسکتا ہے۔ درحقیقت شیعہ اصولی یہ بحث اخباریوں کے شبہات کو رد کرنے کے لئے بیان کرتے ہیں۔

اخباری (جن کے بارے میں پہلے بھی اشارہ ہوچکا ہے)

چوتھا سبق

علمِ اصول کے مسائل

ہم محترم طلاب کے لئے علم اصول کے عمومی اور کلی مسائل بیان کرتے ہوئے اصولیوں کی مروجہ ترتیب کی پیروی نہیں کریں گے بلکہ ایک نئی ترتیب کے مطابق جسے ہم بہتر اور مفید سمجھتے ہیں۔

ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ علم اصول ایک دستور و قانون ہے جو ہمیں احکام کے اصلی منابع سے استنباط کا صحیح طریقہ سکھاتا ہے چنانچہ علم اصول کے مسائل کتاب، سنت، اجماع اور عقل سے تعلق رکھتے ہیں یا کبھی کتاب و سنت دونوں سے متعلق ہوتے ہیں۔

ایسا ممکن ہے کہ کبھی کسی وقت ہمیں ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا استنباط فقہی ادلہ اربعہ سے نہ کیا جاسکتا ہو اور یوں استنباط کا راستہ بند ہوجائے۔ تو ایسے مقام پر شارع اسلام نے خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ چند ایسے قواعد و ضوابط اور عملی وظائف بیان کئے ہیں جن کے ذریعے ہم اپنی شرعی ذمہ داری (جسے حکم ظاہری سے تعبیر کرتے ہیں) معلوم کرسکتے ہیں۔

حکم واقعی سے مایوسی کے بعد موجودہ شرعی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم حکم ظاہری کے قواعد سے استفادہ کا طریقہ کار معلوم کریں۔

میں سے کسی علم میں اتنی تحقیقی تبدیلیاں نہیں آئیں جتنی علم اصول میں واقع ہوئی ہیں اور اس وقت بھی ایسی شخصیات موجود ہیں جنہیں اس علم میں صاحبِ نظر سمجھا جاتا ہے۔

علمِ اصول کا رابطہ چونکہ ذہنی اور تحقیقی جانچ پڑتال سے ہے اس لئے اس میں موشگافیاں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ یہ ایک دلچسپ اور شیریں علم ہے۔ طالب علم کے ذہن کو (مقناطیس کی طرح) اپنی طرف کھینچتا ہے فکری ورزش اور ذہنی تمرین کے لحاظ سے یہ منطق و فلسفہ کی ہم ردیف میں ہے۔

علوم قدیمہ کے طالب علم دقتِ نظر اور غور و فکر کو علم اصول الفقہ کا مرہون منت سمجھتے ہیں۔

علماء کی جستجو میں سفر کیا اور فیضیاب ہوئے۔ آخر کار نجف اشرف عراق میں مقیم ہو گئے۔ صاحب "جواہر" شیخ محمد حسن نجفی اعلی اللہ مقامہ کی وفات کے بعد شیعہ مرجعیت آپ ہی کی طرف منتقل ہوئی۔

آپ ۱۲۸۱ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

آپ کی آراء و نظریات آج بھی حوزہ ہائے علمیہ میں علماء و فضلاء کی بحثوں کا محور ہیں۔

آپ کے بعد آنے والے علماء آپ ہی کے مکتب کے پیروکار ہیں۔ آج تک کوئی ایسی شخصیت پیدا نہیں ہوئی جو مرحوم انصاری کے مکتب اور نقطۂ نظر کو کامل طور پر تبدیل کر سکے۔ لیکن آپ کے مکتب کے شاگردوں نے آپ ہی کی اساس و بنیاد پر آراء و نظریات کو جمع کیا ہے اور بعض مقامات پر آپ کے نظریات کو رد بھی کیا ہے۔ شیخ انصاری کی دو مشہور کتابیں ہیں: "فرائد الاصول فی علم الاصول" اور علم فقہ پر "مکاسب"۔ یہ دو کتابیں آج بھی حوزہ ہائے علمیہ میں رائج ہیں۔

آپ کے مکتب کے شاگردوں میں صاحب کفایۃ الاصول، اخوند ملا کاظم خراسانی مشہور ہیں۔ اخوند مرحوم کے آراء و نظریات بھی حوزہ ہائے علمیہ میں مورد بحث و تدریس ہیں۔ یہ وہی بزرگوار ہیں جنہوں نے مشروطیت کا فتویٰ دیا تھا۔ ایران میں مشروطہ حکومت کے قیام میں ان کا خاطر خواہ حصہ رہا ہے۔ تاریخ مشروطہ سے متعلق ایرانی کتب میں آپ کا تذکرہ موجود ہے۔ آپ ۱۳۲۹ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

مرحوم اخوند خراسانی کے بعد بھی علم اصول میں اکثر نئے نظریات وجود میں آئے۔ ان میں سے بعض انتہائی دقت نظر کے طالب ہیں۔ علوم اسلامی

اصول فقہ کی تاریخ میں ایک اور نامور شخصیت وحید بہبہانی مرحوم ہیں۔ آپ نے ۱۱۱۸ھ میں دنیا میں قدم رکھا اور ۱۲۰۸ھ کو جہان باقی کی طرف کوچ کر گئے۔

وحید بہبہانی کی شخصیت اس لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے کہ اوّلاً انہوں نے (فقاہت واجتہاد کے ذوق وشوق کے ساتھ) بہت سے برجستہ شاگردوں کی تربیت کی۔

سید محمد مہدی بحر العلوم شیخ جعفر کاشف الغطاء میرزا ابو القاسم گیلانی (جو مرزا قمی کے نام سے مشہور ہیں) اور وحید بہبہانی کے شاگردوں سے تھے۔

ثانیاً آپ کے زمانے میں اخباریوں اور اصولیوں کی محاذ آرائی بہت زیادہ تھی۔ آپ ہی نے اخباریوں کو اس میدان میں شکست فاش دی۔

فقاہت واجتہاد کی اخباریوں پر کامیابی اور غلبہ زیادہ تر آپ ہی کی زحمات کا مرہون منت ہے۔

ایک شخصیت جس نے علم اصول کو ترقی دی میرزا ابو القاسم گیلانی ہیں، جو وحید بہبہانی کے شاگرد اور فتح علی شاہ کے ہمعصر گزرے ہیں۔ فتح علی شاہ آپ کا انتہائی احترام کرتا تھا۔

اصول الفقہ میں کتاب قوانین الاصول جو مدتوں سے حوزہ ہائے علمیہ میں پڑھائی جارہی ہے، انہی کی کاوش کا نتیجہ ہے۔

اس آخری صدی میں اصول کو جدید طرز پر پیش کرنے والی شخصیت استاد المتاخرین شیخ مرتضٰی انصاری ہیں۔ آپ ۱۲۱۴ھ میں ایران کے شہر دزفول میں پیدا ہوئے۔ آپ نے علوم اسلامی کے مقدمات اور علم اصول کا کچھ حصہ حاصل کرنے کے بعد عراق اور ایران کے مختلف شہروں میں صاحب نظر

مرتضیٰ علم الہدیٰ ہیں۔

سید مرتضیٰ نے علم اصول پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے مشہور ترین کتاب "ذریعہ" ہے۔ آپ السید رضی کے بڑے بھائی ہیں جنہیں امیر المومنین علیہ السلام کے کلام کو نہج البلاغہ کی صورت میں جمع کرنے کا شرف حاصل ہے۔

السید مرتضیٰ نے چوتھی صدی کے اواخر اور پانچویں صدی کے اوائل میں زندگی گزاری۔ آپ کی وفات ۴۳۶ھ میں ہوئی۔

آپ معروف شیعہ متکلم شیخ مفیدؒ (متوفی ۴۱۳ھ) کے شاگرد رشید تھے اور وہ شیخ صدوقؒ (متوفی ۳۸۱ھ) جو ابن بابویہ کے نام سے مشہور ہیں) کے شاگرد تھے۔ شیخ صدوقؒ ایران کے شہر رے میں مدفون ہیں۔ سید مرتضیٰ کے بعد جس مشہور شخصیت نے علم اصول پر قلم اٹھایا اور جن کے نظریات چار صدیوں تک چھائے رہے۔ شیخ ابوجعفر طوسی (متوفی ۴۶۰ھ) ہیں۔ آپ سید مرتضیٰ کے شاگرد ہیں۔ آپ کو شیخ مفید سے بھی فیض حاصل کرنے کا کچھ موقع ملا۔ حوزہ علمیہ نجف اشرف جس کی عمر ہزار سال سے زیادہ ہے وہ اسی عظیم بزرگ کی محنتوں کا ثمر ہے۔ اصول میں آپ کی مشہور کتاب "عدۃ الاصول" ہے۔

اہل تشیع میں تیسری معروف شخصیت جس نے اصول میں اپنے آثار کتابی شکل میں محفوظ کئے شیخ حسن ہیں۔ جو شرح لمعہ کے مصنف شہید ثانیؒ کے فرزند اور "معالم الدین فی علم الاصول" کے مصنف ہیں۔ آج بھی آپ کی کتاب سے طلاب علوم دینی استفادہ کرتے ہیں۔ آپ نے ۱۰۱۱ھ میں دنیا کو خیر باد کہا۔

علم اصول کے مسائل پر جامع رسالہ لکھا۔

مشرقی علوم کے کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ اہل تسنن سے دو سو سال بعد شیعوں میں اجتہاد پیدا ہوا کیونکہ انہیں ائمہ اطہارؑ کے زمانے میں اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ نتیجتاً وہ مقدمات اجتہاد سے بھی بے نیاز تھے، لیکن یہ نظریہ غلط ہے۔

اجتہاد اپنے اصلی معنی (فروع کو اصول کی طرف رد کرنا اور اصول کی فروع پر تطبیق) میں ائمہ اطہارؑ کے زمانے ہی میں مروّج تھا۔ ائمہؑ اپنے صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ وہ اجتہاد کیا کریں۔

البتہ مختلف موضوعات میں ائمہؑ سے کثرت سے روایات وارد ہونے کی وجہ سے شیعہ فقہ اجتہاد سے بے نیاز تھی اور اجتہاد کی بہت کم ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اس کے باوجود شیعہ اپنے آپ کو "تفقہ" اور اجتہاد سے بے نیاز نہیں سمجھتے تھے۔ خصوصاً ائمہ اطہارؑ نے اپنے نامور صحابہ کو اجتہادی کوششوں کا حکم دیا۔

کتب معتبرہ میں اجتہاد کے ضمن میں ائمہؑ سے مروی روایات میں سے ایک روایت یہ ہے " عَلَيْنَا اِلْقَاءُ الْاُصُوْلِ وَعَلَيْكُمْ اَنْ تُفَرِّعُوْا"۔ کلیات بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے لیکن ان قواعد کلیات کو جزئیات پر منطبق کرنا تمہارا کام ہے۔

شیعہ علماء میں پہلی نامور شخصیت جنہوں نے اصول میں کتابیں تصنیف کیں اور جن کی آرا صدیوں تک مورد بحث رہیں۔ السیّد

تیسرا سبق

شیعہ فقہاء کی مختصر تاریخ

جب کوئی طالب علم ایک علم یا اس سے متعلقہ معلومات حاصل کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس علم کے آغاز اس کے بانی و موجد اور مختلف ادوار میں اس علم پر آنے والے انقلابات و تبدیلیوں اور اس علم میں صاحبان نظر و معروف شخصیات نیز اس علم پر لکھی جانے والی معروف و معتبر کتابوں سے آشنائی حاصل کرے۔

علم اصول فقہ مسلمانوں کی ایجاد ہے اور اس نے اسلامی ثقافت کے پرشکوہ دامن میں پرورش پائی مشہور یہ ہے کہ علم اصول کے بانی و موجد محمد بن ادریس شافعی ہیں۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں علوم و صنائع کی بحث میں لکھا ہے:

"سب سے پہلے جس نے علم اصول میں کتاب لکھی شافعی تھے جنہوں نے "الرسالہ" نامی کتاب میں امر، نہی، نسخ، قیاس، منصوص العلۃ جیسے عناوین پر بحث کی ہے ان کے بعد حنفی علماء نے اس علم میں کتابیں لکھیں اور وسیع پیمانے پر تحقیقات کیں"۔

علامہ سید حسن صدر مرحوم نے اپنی عظیم تصنیف "تأسیس الشیعہ لعلوم الاسلام" میں لکھا ہے کہ شافعی سے پہلے علم اصول کے مسائل امر، نہی، عام، خاص زیر بحث تھے۔ ان میں ہر ایک کے متعلق شیعہ علماء کی طرف سے کتابیں لکھی گئی ہیں۔ البتہ یہ کہنا درست ہے کہ شافعی نے

ین دیں گے۔ اہل تسنن کے چار مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) میں ابو حنیفہ قیاس کو چوتھی دلیل شمار کرتے ہیں۔ حنفیوں کے چار منابع فقہ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس ہیں۔ یہ وہی قیاس ہے جو منطق میں تمثیل کے نام سے موسوم ہے۔

مالکیوں اور حنبلیوں میں سے خصوصاً حنبلی قیاس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے لیکن شافعی محمد بن ادریس شافعی کی پیروی میں میانہ رو ہیں (یعنی نہ تو قیاس کو دلیل تسلیم کرتے ہیں اور نہ اس کا انکار کرتے ہیں)

اکثر حنفی حدیث کو قابلِ توجہ سمجھتے ہیں اور بعض مالکی اور حنبلی قیاس کو دلیل مانتے ہیں۔

قدیم فقہاء کی اصطلاح میں لفظ قیاس "رائے" یا "اجتہادی رائے" پر بھی بولا جاتا تھا۔ شیعہ علماء کی نظر میں قیاس ایسا حکم ہے جو فقط ظن (گمان اور خیال) کی پیروی کا نام ہے۔

شارع اسلامؐ اور آپ کے نائبین علیہم السلام کی طرف سے تمام شرعی مسائل کے حل کے لئے کلی احکام اس قدر وافر مقدار میں ہیں کہ قیاس کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی لہذا قیاس پر عمل کرنا جائز نہیں ہو گا۔

اجماع حجت ہوتا ہے یعنی اگر ہمارے اس زمانے میں تمام علماء کسی ایک مسئلے پر اجماع کر لیتے ہیں تو وہ کسی اور زمانے کے علماء کے لئے کسی لحاظ سے بھی حجت نہیں ہوگا۔

۲۔ شیعہ مسلک میں اجماع اصل نہیں ہے۔ اجماع فقط اس لحاظ سے حجت نہیں کہ اتفاق اور اجماع ہے بلکہ اس لئے حجت ہے کہ نبیؐ یا امامؑ کے فرمان سے پردہ اٹھاتا ہے۔

لیکن اہلسنت کی نظر میں اجماع اصل ہے یعنی اگر علماء اسلام (اہل حل و عقد) کسی ایک مسئلے پر کسی زمانے میں ایک نظریہ رکھتے ہوں تو ان کا اتفاق یقیناً درست ہے اور وہ مدعی ہیں کہ امت کے کچھ لوگوں کا تو خطا پر اجماع ہونا ممکن ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ تمام کے تمام خطاء پر جمع ہوں۔ اہل تسنن کے مطابق کسی زمانے میں تمام امت کا کسی مسئلے پر اتفاق وحی الٰہی کا حکم رکھتا ہے۔ حقیقت میں پوری امت کا اتفاق پیغمبر کے حکم کی مثل ہے جو ان پر القاء ہوا ہے اور وہ حکم خدا شمار ہوگا اور خطاء نہیں ہوگی۔

عقل

اہل تشیع کے نزدیک عقل کی حجیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر عقل کسی مقام پر قطعی اور یقینی حکم رکھتی ہو تو اس کا یہ حکم قطعی اور یقینی ہونے کی وجہ سے حجیت ہوگا۔

یہاں ایک سوال جنم لیتا ہے کہ کیا مسائل شرعیہ حکم عقل کی حدود اور احاطہ میں ہیں؟ تاکہ عقل ان کے بارے میں کوئی قطعی حکم صادر کرے؟ .... یا نہیں۔ اس سوال کا جواب ہم علم اصول کے عمومی مسائل کی بحث

اہل تسنن میں بھی کچھ افراد اس افراطی نظریہ کا شکار ہیں۔

اجماع

اجماع یعنی تمام علماء کی آراء کا کسی مسئلہ پر اتفاق۔ علماء اہل تشیع کی نظر میں اجماع اس لحاظ سے حجت ہے کہ اگر تمام مسلمانوں کا کسی ایک مسئلے پر اتفاق ہو جاتا ہے تو یہ دلیل بنے گی کہ مسئلہ شارعِ مقدس اسلام سے ہم تک پہنچا ہے۔

کیونکہ تمام مسلمانوں کا کسی مسئلہ پر از خود نظریاتی طور پر متحد ہونا ناممکن ہے چنانچہ صرف وہ اجماع حجت ہو گا جو پیغمبرؐ یا امامؑ کے فرمان کا انکشاف کر رہا ہو۔ (اس مقام پر اجماع کوئی نیا قولِ نبیؐ یا امامؑ نہیں بنائے گا بلکہ کسی سابق قولِ نبیؐ یا امامؑ جو پہلے سے موجود ہے سے پردہ اٹھائے گا) مثلاً اگر کسی ذریعے سے معلوم ہو جائے کہ حضورؐ کے عہد میں تمام مسلمان کسی ایک مسئلہ پر متفق ہو گئے تھے اور سب نے ایک ہی جیسا عمل کیا تھا تو دلیل بنے گی کہ یہ اتفاق پیغمبر اکرمؐ کی طرف سے القاء[1] ہے۔

یا اگر ائمہ اطہار علیہم السلام میں سے کسی امام کے تمام اصحاب (جو ائمہ علیہم السلام کے علاوہ کسی سے شرعی حکم معلوم نہیں کرتے) کسی مسئلہ پر اتفاق کر لیتے ہیں تو یہ مسئلہ مکتبِ امام کا ترجمان ہو گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ شیعہ مسلک کے مطابق وہ اجماع حجت ہو گا جو حکمِ پیغمبرؐ تک پہنچائے۔ اس سے دو نتیجے برآمد ہوتے ہیں۔

۱۔ شیعہ مسلک میں فقط پیغمبر اسلامؐ یا ائمہ اطہارؑ کے ہم عصر علماء کا

۱۔ یعنی پیغمبر اکرمؐ نے اس حکم کے بارے میں لوگوں کی یقیناً رہنمائی کی ہے۔

اس روایت اور دیگر روایات کی روشنی میں شیعہ ائمہ علیہم السلام
کے قول و فعل اور تقریر کو معتبر جانتے ہیں۔

۲۔ پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ اطہارؑ سے مروی سنت کبھی تو یقینی اور متواتر
ہوتی ہے اور کبھی ظنی یعنی "خبر واحد"۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ اطہارؑ کی سنت
کو مدرک حکم قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

اس جگہ افراط و تفریط کی حد تک نظریات میں اختلافات واقع ہوا ہے
حضرت ابو حنیفہ جیسے کچھ حضرات سنت کے معاملے میں انتہائی سخت گیری
برتی اور کہا کہ پیغمبر اسلامؐ سے مروی احادیث میں سے فقط سترہ قابل
اعتماد ہیں۔ بعض نے سنت احادیث کو بھی معتبر سمجھا ہے۔

شیعہ علماء کے نزدیک فقط صحیح و موثق روایت قابل اعتماد
و عمل ہے۔ یعنی اگر حدیث کا راوی شیعہ اور عادل ہو یا کم از کم سچا
اور مورد اعتماد ہو تو اس کی روایت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے لہذا راویان
احادیث کی پہچان ضروری ہے یعنی ان کے حالات کی تحقیق کی جائے اگر
ثابت ہو جائے کہ حدیث کے تمام راوی سچے اور قابل اعتماد ہیں تو اس
حدیث پر عمل صحیح ہوگا۔

اکثر علماء اہل تسنن کا بھی یہی نظریہ ہے۔
اسی وجہ سے مسلمانوں میں علم رجال (راویوں کی پہچان کا علم)
ایجاد ہوا لیکن اخباری حضرات اس تقسیم (صحیح، موثق اور ضعیف) کو
غلط سمجھتے ہیں ان کی نظر میں تمام روایات جو مشہور و معتبر کتب اربعہ
(کافی، من لا یحضرہ الفقیہ، تہذیب الاحکام اور الاستبصار) میں مذکور ہیں

۲۔ سُنّت:

سنت سے مراد گفتار، کردار اور تائید معصومؑ ہے۔

۱۔ اگر رسول اکرمؐ کے کلام میں ایک حکم بیان ہو۔

۲۔ یا کسی طریقہ سے ثابت ہو جائے کہ رسول اکرم نے فلاں دینی فریضہ اس طرح انجام دیا۔

۳۔ یا کسی شخص نے حضورؐ کے سامنے کوئی کام کیا ہو اور آپ خاموش رہے ہوں تو گویا آپؐ نے اس کام کی عملی طور پر تائید و توثیق فرمائی ہے۔ ہے تو اسے سنّت کہیں گے اور فقیہ اسے استنباط کے لئے سہارا اور دلیل بنا سکتا ہے۔

سنّت اور اس کی حجّیت کلی طور پر محتاج بحث نہیں اور نہ ہی سنّت کا کوئی مخالف موجود ہے۔ سنّت میں اختلاف دو لحاظ سے ہے:۔

۱۔ کیا فقط سنّت نبوی حجّت ہے؟ یا ائمہ معصومینؑ سے مروی سنّت بھی حجّت ہے؟

اہلسنّت فقط سنّتِ نبوی کو حجّت مانتے ہیں لیکن شیعہ قرآن مجید کی بعض آیات اور رسولِ اکرمؐ کی متواتر احادیث (جنہیں خود اہلسنّت نے بھی نقل کیا ہے) کی رُو سے ائمہ معصومینؑ کی احادیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان روایات میں سے ایک حدیثِ ثقلین ہے:

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَ عِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ اَبَدًا۔

اس گروہ نے جس طرح قرآن سے استفادہ ممنوع قرار دیا تھا اسی طرح اجماع اور عقل کا بھی انکار کیا اور ان کی طرف رجوع کو غلط سمجھا ان کے نزدیک اجماع اہل سنت کی ایجاد ہے اور عقل سے چونکہ غلطی ہو سکتی ہے لہٰذا وہ بھی قابل اعتماد نہیں لہٰذا فقط احادیث ہی ایسے احکام ہیں جن سے اسلامی احکام کا استنباط کیا جا سکتا ہے۔ اس گروہ کو اخباری کہتے ہیں۔

درحقیقت یہ گروہ قرآن اجماع اور عقل کے انکار سے اجتہاد کا منکر واقع ہوا ہے کیونکہ اجتہاد جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ ایک فہم دقیق اور استنباط عمیق سے عبارت ہے۔ ظاہر ہے کہ فہم عمیق عقل کے استعمال اور غور و فکر سے ہی ممکن ہے۔ اخباریوں کا نظریہ ہے کہ کسی مجتہد کا فیصلہ ماننے کے بجائے ہر خود ہی اخبار و احادیث سے اپنا شرعی وظیفہ و ذمہ داری معلوم کر سکتے ہیں۔ اس گروہ کے مؤسس ملا امین استرآبادی ہیں۔ ان کی مشہور کتاب "فوائد المدنیہ" ہے جس میں انہوں نے اپنے عقائد کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ ایران کے رہنے والے تھے اور انہوں نے ایک طویل عرصہ مکہ و مدینہ میں گزارا۔ اخباریوں کا ایران کے کچھ جنوبی شہروں، خلیج فارس کے چند جزیروں اور عراق کے کچھ مقدس شہروں میں کافی چرچا رہا۔ یہاں کے زیادہ تر لوگ فکری انحطاط و جمود کا شکار تھے لیکن خوش قسمتی سے بزرگ مجتہدین نے ان کے اثرات کو ختم کر دیا اور اب کسی گوشہ و کنار میں شاید ڈھونڈنے سے ہی کوئی اخباری ملے۔

اب ضروری ہے کہ ان چار دلیلوں کی تشریح کی جائے اور اس ضمن میں دیگر اسلامی مذاہب اور شیعہ اخباریوں کا نقطۂ نظر بیان کیا جائے۔ ہم اپنی بحث کا آغاز کتاب خدا سے کرتے ہیں۔

۱۔ قرآن

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید اسلامی احکام کا اوّلین منبع و ماخذ ہے لیکن آیاتِ قرآنی فقط اسلامی احکام و قوانین میں منحصر نہیں بلکہ قرآن میں سینکڑوں مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی ۶۶۶۰ آیات میں سے ۵۰۰ آیات اسلامی احکام سے مختص ہیں جو پورے قرآن کا تیرہواں حصہ ہیں۔ علماء اسلام نے آیات احکام کی تفسیر میں متعدد کتب لکھی ہیں ان میں خصوصی طور پر شیعوں میں معروف ترین کتاب "آیات احکام" ہے جو مجتہد زاہد متقی ملّا احمد اردبیلی معروف بہ مقدس اردبیلی کی تصنیف ہے۔ ملّا احمد اردبیلی دسویں صدی ہجری میں شاہ عباس کبیر کے ہمعصر گزرے ہیں۔

آپ کے علاوہ فاضل مقداد سیوری کی کنز العرفان ہے جو آٹھویں صدی کے اواخر اور نویں صدی ہجری کے اوائل میں ہو گزرے ہیں

علماء اہلسنت نے بھی "آیات احکام" سے متعلق خصوصی طور پہ کتابیں لکھی ہیں۔ مسلمان صدر اسلام سے ہی اسلامی احکام کے استنباط کے لئے سب سے پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے آئے ہیں اور کر رہے ہیں۔

ایران میں صفویوں کے دور میں ایک فرقہ پیدا ہوا جس کا نظریہ تھا کہ عام آدمی قرآن مجید کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ مدعی تھے کہ قرآن کو فقط پیغمبر اور امام برحق ہی سمجھ سکتے ہیں۔ عام لوگ سنت کی طرف رجوع کریں۔

دوسرا سبق

منابع فقہ

چونکہ علم اصول الفقہ شرعی احکام کے مدارک و منابع سے استنباط کا صحیح طریقہ و دستور سکھاتا ہے لہٰذا ان منابع و مدارک کا جاننا ضروری ہے کہ وہ منابع کیا ہیں اور کتنے ہیں؟ اور کیا ان کے بارے میں اسلامی مذاہب اور فرقوں کا ہر لحاظ سے ایک ہی نظریہ ہے؟ یا آپس میں اختلاف ہے؟ اور اگر اختلاف نظر ہے تو وہ کیا ہے؟

ہم سب سے پہلے منابع فقہ کے متعلق شیعہ علماء و فقہاء کا نقطۂ نظر بیان کرتے ہیں اور ان منابع کی توضیح میں دیگر مذاہب کے علماء و فقہاء کا نقطۂ نظر بھی۔

شیعہ فقہاء کے نزدیک منابع فقہ چار ہیں سوائے شیعہ اخباریوں کے جن کی تعداد بہت کم ہے اور ان کے نظریات آئندہ صفحات میں بیان کئے جائیں گے:

۱۔ کتاب: یہاں کتاب سے مراد کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہے۔ آئندہ اختصار کے پیش نظر کتاب اللہ کو فقط لفظ "کتاب" سے تعبیر کیا جائے گا۔

۲۔ سنت: یعنی قول، فعل اور تقریر پیغمبرؐ یا امامؑ۔

۳۔ اجماع

۴۔ عقل

فقہاء کی اصطلاح میں انہیں ادلۂ اربعہ کہا جاتا ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ علم اصول کی بحث ادلۂ اربعہ (چار دلیلوں) سے متعلق ہوتی ہے۔

کے استنباط میں اپنی سعی و کوشش کو ان افراد کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کنواں کھود کر زمین سے پانی نکالتے ہیں کیونکہ فقہاء بڑی محنت کے بعد فقہ و اصول کی گہرائیوں سے شرعی احکام نکال کر لاتے ہیں۔

جو قیاس کے دو مقدموں میں سے ایک مقدمہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اسی لئے وہ علم اصول کے مسائل کو فقہ کے لئے "کبریات" (قیاس کا ایک مقدمہ) سمجھتے ہیں لیکن یہ نظریہ صحیح نہیں ہے جس طرح منطق کے مسائل فلسفہ کے لئے کبریات یعنی قیاس کا ایک مقدمہ نہیں بن سکتے۔ علم اصول کے مسائل بھی علم فقہ کیلئے "کبریات" واقع نہیں ہو سکتے۔ یہ مطلب اپنے دامن میں بہت وسعت رکھتا ہے اس مختصر رسالے میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

نیز فقہ کے مدارک و منابع کی طرف رجوع ایک خاص طریقے سے ہی ممکن ہے ورنہ بسا اوقات انسان غلط استنباط کر بیٹھتا ہے جو واقعیت اور شارع اسلام کی نظر کے خلاف ہو لہٰذا ضروری ہے کہ ایک خاص علم میں عقلی و نقلی یقینی ادلّہ کے ساتھ اس بات پر بحث و تحقیق ہو کہ اسلامی احکام کے حصول کے لئے کس طرح فقہ کے منابع و مدارک کی طرف رجوع کرنا صحیح ہے۔ علم اصول فقہ اس رجوع کی جہت اور سمت کا تعین کرتا ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور سے فقہ کے مترادف ایک کلمہ "اجتہاد" مسلمانوں میں رائج رہا ہے۔ چنانچہ آج بھی ہمارے دور میں مجتہد اور فقیہ ایک دوسرے کے مترادف کلمات ہیں۔

اجتہاد۔ جہد سے مشتق ہے یعنی "انتہائی کوشش" اسی لئے فقیہ کو مجتہد کہا جاتا ہے کیونکہ وہ احکام کے استنباط میں انتہائی کوشش کرتا ہے۔

استنباط کا لفظ بھی انہی دو لفظوں کی طرح ہے۔ استنباط کا مادہ "نبط" ہے جس کے معنی زمین کی تہ تک پہنچنا۔ گویا کہ فقہاء نے احکام

۲۔ **تفسیر قرآن**:۔ چونکہ فقیہ کو شرعی مسائل کے استنباط میں قرآن مجید کی تفسیر کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ وہ علم تفسیر سے مختصر آگاہی حاصل کرے۔

۳۔ **منطق**:۔ ہر وہ علم جس میں استدلال کو بروئے کار لایا جاتا ہو وہ علم منطق کا محتاج ہے لہٰذا فقیہ کو کم و بیش منطق میں وارد ہونا چاہیئے۔

۴۔ **علم حدیث**:۔ فقیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم حدیث سے واقفیت اور احادیث کی اقسام سے مکمل آشنائی حاصل کرے۔

۵۔ **علم رجال**:۔ راویانِ احادیث کی معرفت۔ ہم آئندہ بیان کریں گے کہ حدیث پر عمل کرنے کے لئے اتنا ہی کافی نہیں کہ وہ کتبِ احادیث میں موجود ہو بلکہ اس پر نقد و بحث بھی ضروری ہوتی ہے۔ علم رجال میں احادیث کی سند پر بحث کی جاتی ہے۔

۶۔ **علم اصول الفقہ**:۔ فقہ کے مقدمے کے طور پر اہم ترین علم "اصول الفقہ" ہے جس کا سیکھنا ضروری ہے۔ اصول الفقہ ایک دلچسپ علم اور مسلمانوں ہی کی ایجاد ہے۔

علم اصول الفقہ حقیقت میں استنباط (حصول فتویٰ) کا آئین ہے۔ یہ علم فقہ کے مدارک اور دلائل سے استنباط کا طریقۂ کار سکھاتا ہے اس لحاظ سے علم اصول منطق کی طرح ایک دستوری علم ہے لہٰذا اسے علم کی بجائے فن کہنا زیادہ بہتر ہوگا۔ یہ علم ہمیں بتاتا ہے کہ "ایسا ہونا چاہیئے" نہ یہ کہ "ایسا ہے"۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ علم اصول الفقہ ان مسائل کا مجموعہ ہے

کائنات میں رونما ہونے والے ہر واقعہ اور پیش آنے والے ہر مسئلہ کے بارے میں جزوی یا تفصیلی طور پر شرعی قوانین و احکام نہ تو ممکن ہوئے اور نہ ہی یہ ممکن تھا کہ ہر مسئلہ کا الگ حکم بیان کیا جاتا بلکہ اسلام نے عمومی قواعد و اصول بیان کئے ہیں۔

فقیہ کے لئے ضروری ہے کہ کسی مسئلہ یا واقعہ کا حکم بیان کرنے سے پہلے اس کے ہر پہلو کو بنظر غائر اور معتبر دلائل کی مدد سے پرکھے۔

فقاہت:۔ ہر مسئلے میں گہری سوچ اور نظر عمیق اس کے ہر پہلو کا جائزہ لینے کا نام فقاہت ہے۔

فقہاء کی نظر میں فقہ کی تعریف:۔ هو العلم بالاحکام الشرعية الفرعية عن ادلتها التفصيلية

تفصیلی دلیلوں کی مدد سے فروعی مسائل کا جاننا۔

فقہ ایسا علم ہے جس میں اعتقادی اور تہذیبی احکام کی بجائے فروعی احکام پر بحث و تحقیق ہوتی ہے۔

اصول الفقہ

فقیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ فقہ کے مقدماتی علوم پر حاوی ہو اور یہ مقدماتی علوم درج ذیل ہیں:

۱۔ **عربی ادب:۔** یعنی صرف، نحو، لغت، معانی، بیان، بدیع۔ چونکہ قرآن مجید و احادیث عربی زبان میں ہیں اور عربی زبان اور ادبیات کو ایک خاص حد تک جانے بغیر قرآن و حدیث سے استفادہ ممکن نہیں، اس لئے عربی ادب کا جاننا ضروری ہے۔

کسی چیز کی قیمت کم ہونے اور اس کے آہستہ آہستہ زیادہ ہونے کے اسباب کیا ہوتے ہیں۔ کس حد تک ان واقعات سے پہلوتہی ناممکن ہے اور کس حد تک ان سے اجتناب کیا جا سکتا ہے۔

بنابریں جو شخص اقتصادی مسائل میں کامل اور عمیق معلومات رکھتا ہو اور اشیاء کو سطحی نظر سے نہ دیکھتا ہو اسے اقتصادیں "متفقہ" کہیں گے۔

قرآن کریم کی آیات، پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی متعدد روایات اور احادیث میں دین میں "تفقہ" کا حکم دیا گیا ہے ان روایات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ تمام مسلمانوں کو زندگی کے ہر شعبہ میں انتہائی سوچ بچار اور بصیرت کے ساتھ اسلامی احکام سے آگاہی رکھنا چاہیئے چاہے ان کا تعلق اسلامی عقائد سے ہو یا کائنات کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر سے اخلاق و تربیت سے ہو یا اسلام کے اجتماعی مسائل سے۔ معاشرتی قوانین سے ہو یا اسلامی عبادات سے۔ انفرادی زندگی کے قواعد و ضوابط سے ہو یا معاشرتی زندگی کے آداب سے، اسلام یہ چاہتا ہے کہ مسلمان زندگی کے ہر شعبے سے متعلقہ اسلامی احکام و نظریات کو بنظر عمیق اور انتہائی سوچ بچار سے حاصل کریں۔ دوسری صدی ہجری کے بعد سے لفظ "تفقہ" مسلمانوں میں خاص اصطلاح کے طور پر استعمال ہونے لگا جس کو "فقہ الاحکام" یا "فقہ الاستنباط" کہا جاتا ہے۔

فقہ الاحکام کی تعریف :۔ مدارک شرعیہ (شرعی دلائل و براہین) سے اسلامی قوانین کو پوری دقت کے ساتھ استنباط کرنا۔

پہلا سبق

مقدمہ

اس رسالے میں ہمارا موضوع بحث علم اصول کے عمومی اور کلی مسائل ہیں۔ فقہ اور اصول کا ایک دوسرے سے منطق و فلسفہ جیسا تعلق ہے۔ علم اصول علم فقہ کے لئے مقدمہ کی حیثیت رکھتا ہے اسی لئے اسے "اصول الفقہ" یعنی فقہ کی بنیادیں اور ستون کہا جاتا ہے۔

سب سے پہلے ان کی مختصر تعریف ضروری ہے۔

فقہ: لغت میں فقہ سمجھ (فہم) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (لیکن گہری سمجھ)

دنیا میں رونما ہونے والے واقعات سے متعلق ہماری معلومات دو قسم کی ہوتی ہیں کبھی سطحی اور کبھی عمیق یعنی مکمل اور گہری معلومات مثلاً اقتصادی نقطۂ نگاہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک چیز پہلے تو بازار میں نہیں تھی اور اب موجود ہے۔ اس کے برعکس ایک چیز بازار میں تھی لیکن اب موجود نہیں ہے یا فلاں چیز کی قیمت بڑھ رہی ہے اور فلاں چیز کی قیمت ثابت و برقرار ہے۔

اس قسم کی سطحی معلومات ممکن ہے ہر عام آدمی کو حاصل ہوں لیکن کچھ افراد کی نظر اس قسم کے معاملات میں مسائل کی سطح سے بڑھ کر ان کی گہرائی تک ہوتی ہے۔ ایسے لوگ دنیاوی زندگی میں پیش آنے والے واقعات و معاملات کو سنجیدگی سے دیکھتے ہیں اور غور کرتے ہیں کہ بازار میں فلاں چیز کے فراواں ہونے یا اس کے نایاب ہونے، تیز

زیر نظر کتاب شہید مطہری رضوان اللہ علیہ کی تصنیف ہے، جن کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے۔ انہوں نے مکتبِ اہلبیتؑ میں فقہی خدمات اور فقہاء کا نہایت دلکش انداز میں تعارف فرمایا ہے۔ اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ مومنین اپنی فقہی دنیا سے باخبر رہیں اور انہیں یہ علم ہو کہ مذہب اہلبیتؑ علماء کی بیش بہا قربانیوں اور انتھک محنت سے کس قدر تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ اس سے مومن کو یہ کامل یقین حاصل ہوتا ہے کہ جس مذہب پر وہ کاربند ہے وہ سب سے زیادہ قابل اطمینان وسکون ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

جناب حجت الاسلام آقای محی الدین کاظم دامت برکاتہ نے اس کتاب کا ترجمہ اردو زبان میں کر کے اردو بولنے والوں پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ خداوند عالم انہیں تدریسی و تبلیغی توفیقات سے نوازتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں تحریری خدمات اور مومنین کو ان سے کسبِ فیض کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام علیہ و علیٰ اخواننا المومنین و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

محسن علی نجفی

پرنسپل جامعۃ اہل البیتؑ، اسلام آباد

۲ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

زرارہ اور جابر جعفی نے بھی ہزاروں احادیث روایت کیں۔ جابر بن حیان کوفی نے بھی آپؑ سے کیمیا، فزکس وغیرہ کے علوم اخذ کیے
اس دور میں ائمہؑ کے رشید شاگردوں نے حدیث میں بے شمار کتب جو اصول کے نام سے معروف تھیں، تالیف فرمائی ہیں۔ ان میں سے اہم کتب "اصول اربع مائۃ" ہیں یعنی وہ کتب جو چار سو (۴۰۰) اصول پر مشتمل تھیں۔ ان احادیث کو بعد میں فقہی ابواب کی تنظیم بندی کے ساتھ چار بڑی کتابوں میں جمع کیا گیا جو حسب ذیل ہیں۔
۱۔ اصول کافی، فروع کافی تالیف الشیخ ابو جعفر محمد کلینیؒ متوفی ۳۲۹ھ۔ یہ کتاب ۱۶۱۹۹ احادیث پر مشتمل ہے
۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ۔ تالیف الشیخ ابو جعفر صدوقؒ متوفی ۳۸۱ھ یہ کتاب ۹۰۴۴ احادیث پر مشتمل ہے
۳۔ التہذیب۔ تالیف الشیخ ابو جعفر طوسیؒ متوفی ۴۶۰ھ۔ یہ کتاب ۱۳۵۹۰ احادیث پر مشتمل ہے۔
۴۔ الاستبصار۔ تالیف الشیخ ابو جعفر طوسیؒ متوفی ۴۶۰ھ۔ یہ کتاب ۵۵۱۱ احادیث پر مشتمل ہے

چوتھا دور:۔ حضرت امام رضا اور ائمہ علیہم السلام کا دور ہے اس دور میں حکمرانوں نے ائمہؑ کے گرد سخت ترین گھیرا ڈال رکھا تھا۔ حضرت امام رضاؑ کو مامون نے خراسان میں اپنی نگرانی میں رکھا اور حضرت امام محمد تقیؑ، حضرت امام علی نقیؑ اور حضرت امام حسن عسکریؑ سامرہ منتقل ہونے کے بعد حکمرانوں کی زیر نگرانی رہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت علیؑ کے دور سے لے کر حضرت امام حسن عسکریؑ کے دور تک ائمہ علیہم السلام نے شاگردوں نے چھ ہزار چھ سو کتب تالیف کی ہیں۔ چنانچہ مؤلف وسائل الشیعہ نے تحقیق فرمائی ہے۔

اور باب مدینۃ العلم ہیں۔ وقت کے حکمران ہوں یا دیگر شخصیات ہر مشکل وقت میں سب آپؑ کی طرف رجوع کرتے تھے حتیٰ کہ یہ ایک مقولہ بن گیا: معضلۃ لیس لہا ابوالحسن یعنی یہ ایک ایسا لاینحل مسئلہ ہے جس کے حل کے لئے ابوالحسنؑ نہیں ہیں۔ یہ قول حضرت عمر کے ستر سے زائد مقامات پر کہے ہوئے اس قول سے ماخوذ ہے جس میں انہوں نے کہا: لا ابقانی اللہ لمعضلۃ لیس لہا ابوالحسن یعنی اللہ مجھے اس مشکل مسئلہ کا سامنا کرنے کے لئے باقی نہ رکھے جس کے حل کے لئے ابوالحسن (علیؑ) موجود نہ ہوں۔ آپؑ کے شاگردوں میں سے سرفہرست حضرت ابن عباس ہیں جن کا یہ مشہور قول ہے: "میرا اور اصحاب رسولؐ کا علم حضرت علیؑ کے علم کے مقابلے میں ایک قطرہ کی مانند ہے۔

دوسرا دور: حضرت حسنینؑ اور امام سجادؑ کا ہے۔ یہ دور اہلبیتؑ کی مظلومیت کا دور ہے۔ اس دور میں ظلم و ستم کے سیاہ بادل چھائے رہے۔ قریب تھا کہ اسلام کا خاتمہ کر کے دورِ جاہلیت پھر سے لوٹ آئے لیکن حضرت امام حسنؑ نے صلح کے ذریعے انہیں سمجھنے کے لئے امت کو مہلت نہ دی ہوتی اور حضرت امام حسینؑ نے جہاد و شہادت کے ذریعے ان کے چہرے بے نقاب نہ کئے ہوتے تو اس دور کے حکمران اسلام کے نام سے اسلام کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ اس دور میں صلح امام حسنؑ، جہاد امام حسینؑ اور عبادت و دعائے حضرت سجادؑ استنباط احکام و تعلیمات کے اہم مصادر ہیں۔

تیسرا دور: یہ دور حضرات امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کا دور ہے۔ یہ علم و عرفان کا دور تھا۔ صرف حضرت امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ ان میں سے ابان بن تغلب نے آپ سے تیس ہزار احادیث روایت کیں۔ محمد بن مسلم نے سولہ ہزار احادیث حضرت امام جعفر صادقؑ اور تیس ہزار احادیث حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہیں۔

نظریات کی تائید حاصل ہیں راویانِ حدیث کی طرف رجوع کرتے اور متعدد راویوں جن میں ثقہ اور غیر ثقہ بھی ہوتے تھے کے ذریعے سنتِ رسولؐ تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ عقائد و نظریات میں مختلف مذاہب وجود میں آگئے۔ ان میں "اشاعرہ" (نظریہ جبر کے قائل) اور معتزلہ (نظریہ تفویض کے قائل) قابلِ ذکر ہیں۔ بقیہ مذاہب ختم ہو گئے۔

فروعی و فقہی مسائل میں حنفی، حنبلی، شافعی، مالکی، سفیان ثوری، اوزاعی، ظاہری اور طبری وغیرہم وجود میں آئے۔ ابتدائی چار مذاہب کے علاوہ باقی مذاہب حکومتِ وقت نے ختم کر دیئے اور ہمیشہ کے لیے اجتہاد یعنی اسلامی عقائد و نظریات اور احکام پر مزید تحقیقات کا دروازہ بند کر دیا۔

لیکن اہلبیتؑ کے تابعین اپنے ائمہؑ کی طرف رجوع کرتے تھے جو بیانِ احکام کے لیے یہ ارشاد فرماتے تھے: میں نے اپنے پدرِ بزرگوار سے سنا انہوں نے اپنے پدرِ بزرگوار سے ... انہوں نے رسول اللہؐ سے، انہوں نے جبرائیل امین سے اور جبرائیل امین نے اللہ تعالیٰ سے۔

ائمہ اہلبیتؑ کا دور حضرت امام حسن عسکریؑ یعنی ۲۶۰ھ بلکہ غیبتِ صغریٰ کے ختم ہونے یعنی ۳۳۰ھ تک رہا اور اس عرصے میں فکری و نظریاتی اضطراب میں کافی حد تک ٹھہراؤ آگیا تھا۔ ائمہؑ حکومت اور حکمرانوں سے کنارہ کش ہو کر اسلامی علوم کی نشر و اشاعت میں مصروف رہے۔ چنانچہ ائمہؑ نے اس دوران علماء اور محدثین کی ایک قابلِ توجہ جماعت کی تربیت فرمائی جس نے ان سے نہ صرف اسلامی عقائد و احکام کے علوم حاصل کیے بلکہ ائمہؑ کے شاگردوں نے بنی انسانیت کو طفولیت سے رشدِ عقلی عنایت فرمائی اور جابر بن حیان کے کیمیائی اور فزیکل علوم سے دنیا نے نیا تمدن حاصل کیا۔

عہدِ ائمہؑ کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا دور: حضرت علیؑ کا ہے جو اس امت میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے

کام نہ تھا اور نہ ہر وہ شخص جو کچھ عرصہ رسول خدا ؑ کی صحبت میں رہا ہو فتویٰ دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔

بعد میں جب اسلام کا دائرہ وسیع ہوا اور نئے واقعات پیش آئے تو تابعین کے دور میں مجتہدین کتاب و سنت سے کوئی حکم ثابت نہ ہونے کی صورت میں قیاس و استحسان سے احکام خدا کا استنباط و استخراج کرتے رہے۔

مکتب اہلبیت ؑ کو بعد از وفات رسول ؑ اجتہاد کی ضرورت پیش آئی اور نہ قیاس کی کیونکہ وہ ثانی ثقلین ائمہ اہلبیت ؑ کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان کے علوم سے مستفیض ہوتے تھے۔

تابعین اور تبع تابعین کے دور میں دنیا مختلف نظریات و مذاہب اور فکری و نظریاتی اضطراب سے دوچار تھی۔ اس وقت اہلبیت ؑ کے تابعین اپنے ائمہ ؑ کی طرف رجوع کرتے اور ہر قسم کا فکری و نظریاتی اضطراب دور کر کے سکون حاصل کرتے تھے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ وحی کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد منبع وحی سے امت کی طرف اسلامی تعلیمات و نظریات کو منتقل ہونے اور رسوخ پیدا کرنے میں ایک وقت ضرور لگتا تھا اور اس وقفہ میں ایک اضطراب کی صورت پیدا ہونا بھی ضروری تھا چنانچہ اصحاب و تابعین میں بہت سے مسائل میں اختلاف پیدا ہوا۔ مثلاً عقائد میں ایک فرقے نے کہا: انسان اپنے اعمال میں مجبور ہے اور خیر و شر اللہ کی طرف سے ہے۔ دوسرے فرقے نے کہا: انسان سو فیصد مختار ہے انسان کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کا کوئی دخل نہیں ہے۔

قرآن کے بارے میں ایک فرقے نے کہا۔ قرآن اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ دوسرے فرقے نے کہا۔ قرآن اللہ کی طرح قدیم ہے مخلوق نہیں۔

فروعی مسائل میں تو اتنے اختلافات رونما ہوئے کہ ان کا شمار میں آنا مشکل ہے۔ اس فکری و نظریاتی عدم استحکام کے دور میں لوگ اپنے اپنے

معاذ بن جبل کو حضورؐ نے یمن میں تبلیغ احکام و تعلیم قرآن کے لیے روانہ فرمایا۔

اجتہاد: وفات رسول اکرمؐ کے بعد اکثر لوگ اسلامی تعلیمات کے سلسلے میں اصحاب کی طرف رجوع کرتے تھے سوائے ان کے جو اہلبیت سے وابستہ تھے۔ تقریباً ایک سو بیس اصحاب کے فتاویٰ اب تک محفوظ ہیں۔

اصحاب کا اجتہاد قرآن و سنت پر مبنی ہوتا تھا اور ان کے لیے اجتہاد کرنا نسبتاً آسان اور سادہ تھا کیونکہ وہ براہ راست منبع وحی و مقصد تشریع سے احکام سنتے، سمجھتے اور حفظ کر لیتے تھے۔ اس کے باوجود فتویٰ دینا ان کے لیے کوئی آسان کام نہیں تھا۔ کیونکہ:

۱۔ آیات کے فہم کے لیے ان کا شانِ نزول معلوم کرنا ضروری ہے اور آیات کا نزول ۲۳ سالوں پر محیط ہے اور اس سے تمام اصحاب واقف نہیں ہو سکتے، سوائے ان ہستیوں کے جو اول بعثت سے لے کر آخر بعثت تک رسالتمآبؐ کے ہمراہ رہ چکی ہوں جیسے حضرت علی علیہ السلام۔

۲۔ کچھ احکام ابتدا میں وقتی طور پر نافذ ہوتے تھے اور بسا اوقات یہ نہیں بتایا جاتا تھا کہ یہ وقتی ہیں۔ بعد میں یہ منسوخ ہو جاتے اور چونکہ سابقہ حکم کی مدت بتائی گئی نہ ہوتی تھی اس لیے ہر شخص کو ناسخ و منسوخ کا علم نہیں ہوتا تھا۔

۳۔ کچھ احکام کو شروع میں عام و مطلق بیان کیا جاتا تھا، بعد میں عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید ہو جاتی تھی۔

۴۔ کچھ احکام قرآن و سنت میں مجمل بیان ہوئے ہیں جن کی وضاحت دوسری آیت یا حدیث میں ہے۔

اس لیے احکام شریعت میں فتویٰ دینا خود اصحاب کے لیے بھی آسان

پیش لفظ

صدرِ اسلام میں اسلامی تعلیمات کو "تفقہ فی الدین" یعنی دین میں فہم حاصل کرنا کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے:

علیکم التفقہ فی الدین۔ تم پر دین کا فہم کرنا فرض ہے۔

نیز فرمایا: الکمال کل الکمال التفقہ فی الدین۔ کمال کا اعلیٰ درجہ دین کا فہم حاصل کرنا ہے۔

رسالتمآبؐ کے وصال کے بعد دینی احکام پر عبور رکھنے والوں کو "قاری" کہا جاتا تھا کیونکہ عرب ایک ناخواندہ قوم تھی اس لئے ہر پڑھنے لکھنے والے کو "قاری" کہتے تھے۔

ایک عرصہ تک یہ نام مشہور رہا بعد میں جب اسلام کا دائرہ وسیع ہوگیا اور پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو دینی تعلیم کے ماہرین کو "فقہا" کہا جانے لگا۔ بعد ازاں علم قرأت وجود میں آنے اور قرأت میں اختلافات رونما ہونے کے بعد قاری ان لوگوں کا نام بن گیا جو قرآن کی قرأت پر عبور رکھتے ہیں۔

عصر رسالتؐ میں لوگ دینی مسائل کے لئے براہ راست مرکزِ وحی اور مصدرِ تشریع حضرت رسول اللہؐ کی طرف رجوع کرتے، انہیں خود آپؐ سے بالمشافہ سمجھتے، اس پر عمل کرتے اور دوسروں کیلئے بیان کرتے تھے۔

آپؐ سے سننے والے سب ہی اس قابل نہ تھے کہ وہ احکام سمجھ لیں اور دوسروں کے لئے بیان کریں۔ چنانچہ اصحاب میں سے وہ حضرات جو تفقہ کے درجے پر فائز تھے تبلیغ و ارشاد پر مامور ہوجاتے، مثلاً

۲- عیاشی سمرقندی رح ۷۶
۳- ابن ابی عقیل عمانی رح ۷۷
۴- ابن جنید اسکافی رح ۷۸
۵- شیخ مفید رح "
۶- سید مرتضیٰ رح ۷۹

تیسرا سبق: ۸۰

۷- شیخ ابو جعفر طوسی رح "
۸- قاضی عبد العزیز حلبی رح ۸۲
۹- شیخ ابو الصلاح حلبی رح "
۱۰- حمزہ بن عبد العزیز دیلمی رح ۸۳
۱۱- سید ابو المکارم ابن زہرہ رح "
۱۲- ابن حمزہ طوسی رح ۸۴
۱۳- ابن ادریس حلی رح ۸۵
۱۴- شیخ ابو القاسم جعفر حلی رح "
۱۵- حسن بن یوسف بن علی حلی رح ۸۶
۱۶- فخر المحققین رح ۸۷
۱۷- محمد بن مکی رح ۸۸
۱۸- فاضل مقداد رح ۸۹
۱۹- جمال السالکین ابو العباس حلی رح ۹۰
۲۰- شیخ علی بن ہلال جزائری رح "

چوتھا سبق: ۹۱

۲۱- شیخ علی بن عبد العالی کرکی رح "
۲۲- شیخ زین الدین رح ۹۲
۲۳- احمد بن محمد اردبیلی رح ۹۳
۲۴- شیخ بہاء الدین محمد عاملی رح ۹۵
۲۵- ملا محمد باقر سبزواری رح ۹۶
۲۶- آقا حسین خوانساری رح ۹۷
۲۷- جمال المحققین رح "
۲۸- شیخ بہاء الدین اصفہانی رح ۹۸
۲۹- محمد باقر محمد اکمل بہبہانی رح "
۳۰- سید مہدی بحر العلوم رح ۹۹
۳۱- شیخ جعفر کاشف الغطاء رح ۱۰۰

پانچواں سبق:

۳۲- شیخ محمد حسن رح ۱۰۱
۳۳- شیخ مرتضیٰ انصاری رح ۱۰۲
۳۴- حاج میرزا محمد حسن شیرازی رح ۱۰۳
۳۵- آخوند ملا محمد کاظم خراسانی رح ۱۰۴
۳۶- حاج میرزا حسین نائینی رح ۱۰۵

خلاصہ اور تحقیق

چھٹا سبق: فقہ کے اہم مسائل اور ابواب عبادات ۱۱۰
ساتواں سبق: عقود ۱۱۹
آٹھواں سبق: ایقاعات ۱۳۰
نواں سبق: احکام ۱۳۹
گیارہواں سبق: فقہ کے متفرق مسائل کی تقسیم ۱۵۴

فہرست مطالب

پیش لفظ

پہلا سبق : مقدمہ ۔ ۱۳

دوسرا سبق : منابع فقہ ۱۹

قرآن ۲۰

سنت ۲۲

اجماع ۲۴

عقل ۲۵

تیسرا سبق : شیعہ فقہاء کی مختصر تاریخ ۲۷

چوتھا سبق : علم اصول کے مسائل ۳۳

حجیت ظواہر کتاب ۳۴

ظواہر سنت ۳۶

خبر واحد کی تعریف ۳۷

تعادل و تراجیح ۳۷

پانچواں سبق : قرآن و سنت کی مشترکہ ابحاث ۴۰

اوامر ۴۰

نواہی ۴۲

عام و خاص 〃

مطلق و مقید ۴۴

مفاہیم ۴۵

مجمل و مبین ۴۶

ناسخ و منسوخ ۴۷

چھٹا سبق : اجماع و عقل ۴۸

اجماع کی تقسیم ۴۹

عقل کی حجیت ۵۰

لوازم احکام ۵۳

ساتواں سبق : اصول عملیہ ۵۷

استصحاب کی ادلہ ۶۰

اصل برأت کی ادلہ ۶۱

مسائل علم اصول ۶۴

فقہ

پہلا سبق : علم فقہ ۶۵

لفظ فقہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ۶۶

علماء کی اصطلاح میں لفظ فقہ ۶۷

حکم تکلیفی و حکم وضعی ۶۸

تعبدی و توصلی ۶۹

عینی و کفائی 〃

تعیینی و تخییری ۷۰

نفسی و مقدمی

دوسرا سبق : علم فقہ اور فقہاء کی مختصر تاریخ ۷۲

شیعہ فقہاء کی مختصر تاریخ ۷۴

۱۔ علی بن بابویہ قمی ۷۶

بسم الله الرحمن الرحيم

عبادات میں کون کون سے ابواب شامل ہیں، معاملات، عادات اور احکام میں کون کون سے ابواب حتیٰ کہ خود ان کی تعریف تک نہیں کی۔ فقہاء نے فقہ کی ایک اور انداز سے بھی تقسیم کی ہے: عبادات، معاملات سیاسیات احکام۔ لیکن آج تک نہ تو اس تقسیم کو کسی کتاب میں دیکھا ہے اور نہ اس کی تشریح سنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مندرجہ بالا تقسیمات میں سے کوئی قابل توجہ نہیں ہے۔ محقق حلی نے اپنی تقسیم میں عبادات کو ایک حصہ قرار دیا کہ جو محل اشکال نہیں۔ لیکن دوسری ابحاث (جن میں صیغہ کی احتیاج ہوگی یا نہیں اور پھر دونوں طرف سے ہوگا یا ایک طرف سے) کو ملاک قرار دے کر فقہی ابواب کو تقسیم کیا ہے۔ جس کے نتیجے میں عائلی قوانین سے مربوط "نکاح" و "طلاق" دو مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے جبکہ ایک کا تعلق ملاپ اور دوسرے کا جدائی سے ہے۔ فقط اس دلیل کے ساتھ کہ ایک میں طرفین سے صیغہ کا اجراء ضروری ہے اور دوسرے میں فقط ایک طرف سے۔ اسی طرح اجارہ و جعالہ جو ایک دوسرے کے قریب ہیں اور ماہیت اختلافی ان کے درمیان نقط صیغہ کا دونوں طرف سے یا ایک طرف سے ہونا ہے۔

سبق و رمایہ اس دلیل کے ساتھ کہ عقد میں جہاد سے مکمل طور پر الگ ہو گئے جس کی وجہ سے انہیں جائز قرار دیا گیا تھا۔

ا۔ یہ تقسیم آقای شیخ موسیٰ نجفی خوانساری نے آیت اللہ نائینی مرحوم کے مکاسب اول بیع کے دروس کی تقریرات میں لکھی ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ تقسیم مرحوم نائینی کی اپنی ایجاد ہے یا انہوں نے کسی اور سے اقتباس کی ہے۔

اقرار جو کتاب القضاء کا ضمیمہ ہے کو کتاب القضاء سے الگ ذکر کیا گیا۔ کتاب القضاء، اطعمہ واشربہ اور ارث کی آپس میں کوئی شباہت نہیں لیکن اس دلیل سے کہ وہ نہ عبادات، نہ عقود، نہ ایقاعات سے ہیں، انہیں ایک قسم میں داخل کیا گیا۔ لفظ "احکام" جو محقق کی تقسیم اور دیگر دو تقسیموں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ یہاں اس کا کوئی مفہوم نہیں بنتا۔ یہ ایک اصطلاح ہے اور ابواب سے اس کی کوئی مناسبت نہیں۔ اس کا شمار عبادات، عقود، ایقاعات اور سیاسات میں سے کسی میں نہیں ہوتا۔

شہید اوّل نے محقق کی تقسیم پر مختصر وضاحت لکھی ہے اور اشارتاً اس کا دفاع کیا ہے۔ لیکن عملی طور پر خود اس تقسیم کی رعایت نہیں کی۔ "لمعہ" جو شہید کی آخری کتابوں میں ہے، اس کے ابواب کی ترتیب شرائع سے مطابقت نہیں رکھتی۔ میری نظر میں فقط عبادات ہی ہیں جو مستقل بحث کے حوالے سے پہچانی جاتی ہیں۔ کیونکہ فقہ کے اس حصے میں عمل اور اس کی ماہیت کے متعلق بحث ہوتی ہے۔ اگر تمام ابحاث میں اس نکتے کو مدنظر رکھا جائے یعنی فقہی موضوعات کی ماہیت و حقیقت مدنظر رکھی جائے تو فقہی تقسیم ابواب و فصول کے اعتبار سے ایک نئی شکل اختیار کرے گی کیونکہ کچھ ابواب اپنی طبیعت اور ماہیت کے اعتبار سے قضاوت سے متعلق ہیں لہٰذا ان کے مسائل عدالتی طریقۂ کار سے مربوط ہوں گے اور کچھ اپنی ماہیت کے اعتبار سے اقتصاد و معیشت سے متعلق، کچھ جزا و سزا اور بعض سیاسی و اخلاقی طبیعتوں کے حامل ہونے کی وجہ سے مختلف گروہوں کی شکل میں ہوں گے۔

(اختتام ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ مدرسۃ الخوئی قم)